جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

رجسٹرڈ

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ / مارچ ۲۰۱۱ء

جامعہ دارالعلوم کراچی کی جدید جامع مسجد کے ایک دروازے "باب عارفی" کا منظر

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغٌ للنّاس

جامعہ دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

کراچی

جلد ۴۶ شمارہ ۴

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ / مارچ ۲۰۱۱ء

نگران ـــــ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مدیر اعلیٰ ـــــ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

مجلسِ ادارت

مدیر مسئول ـــــ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

مولانا محمود اشرف عثمانی مولانا راحت علی ہاشمی

ناظم ـــــ محمد قاسم گلگتی نائب ناظم ـــــ محمد انور صدیقی

فی شمارہ .... /۲۵ روپے

سالانہ زرتعاون .... /۳۰۰ روپے

بذریعہ رجسٹری .... /۴۲۵ روپے

سالانہ زرتعاون

بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور

یورپی ممالک .... ۳۵ ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور

متحدہ عرب امارات .... ۲۷ ڈالر

ایران، بنگلہ دیش .... ۲۵ ڈالر

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ "البلاغ" جامعہ دارالعلوم کراچی

کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر:- 35123222
35042280
35049774-6

بینک اکاونٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0109-036-153

میزان بینک لمیٹڈ

کورنگی انڈسٹریل ایریا برانچ

Email Address:
albalagh_ue@cyber.net.pk
mdukhi@gmail.com
www.darululoomkarachi.edu.pk

پبلشر:- محمد تقی عثمانی

پرنٹر:- القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ترتیب

ذکر و فکر

اپریل فول ....

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

آسان ترجمۂ قرآن

آسان ترجمۂ قرآن، سورۃ البقرۃ ....

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مقالات ومضامین

دیوبند میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا اہم خطاب ....

مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی

خاموشی۔ذریعۂ نجات ....

مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی

مغرب میں قبولِ اسلام کا بڑھتا ہوا رجحان ....

مولانا ندیم الواجدی

دینی مدارس کا مزاج ....

مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحبؒ

نقوش رفتگاں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ ....

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

آپ کا سوال

محمد حسان اشرف عثمانی ....

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب و روز

مولانا محمد راحت علی ہاشمی ....

نقد وتبصرہ

ابومعاذ ....

ذکر و فکر

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

اپریل فُول

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

مغرب کی بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق نے ہمارے معاشرے میں جن رسموں کو رواج دیا، انہی میں سے ایک رسم ''اپریل فُول'' منانے کی رسم بھی ہے، اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا، اور دھوکہ دے کر اسے بے وقوف بنانا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے، جو شخص جتنی صفائی اور چابکدستی سے دوسرے کو جتنا بڑا دھوکہ دے، اُتنا ہی اُسے قابلِ تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔

یہ مذاق جسے درحقیقت ''بدمذاقی'' کہنا چاہئے، نہ جانے کتنے افراد کو بلا وجہ جانی اور مالی نقصان پہنچا چکا ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی ہیں، کہ انہیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنادی گئی جسے سننے کی وہ تاب نہ لاسکے، اور زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلا وجہ بیوقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے، ظاہر ہی ہے، لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لیے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترھویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس (Venus) کی طرف منسوب کرکے مقدس سمجھا کرتے تھے، وینس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphro dite کیا جاتا تھا، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کرکے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا۔

(برٹانیکا پندرھواں ایڈیشن ص:۲۹۲، ج:۸)

لہٰذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی، اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا، اس لیے اس دن کو لوگ جشنِ مسّرت منایا کرتے تھے، اور اسی جشنِ مسرّت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشنِ مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا، ص:۴۹۶، ج:۱)

یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد ''مذاق'' کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے ''قدرت'' کی پیروی مقصود تھی، یا اس سے انتقام لینا منظور تھا؟

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا ''لاروس'' نے بیان کی ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لُوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

> ''اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے، اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے، اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھکو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں'' (لُوقا ۲۲:۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالتِ عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، پھر پیلاطس نے انہیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا، اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لیے

ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا، اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا،س لیے اپریل فُول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔

اپریل فُول منانے کے نتیجے میں جس شخص کو بیوقوف بنایا جاتا ہے، اسے فرانسیسی زبان میں Poisson d'avril کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ April Fish ہے، یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا، ص:۴۹۶، ج:۱)۔ گویا جس شخص کو بے وقوف بنایا گیا ہے وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی۔ لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poisson کا لفظ جس کا ترجمہ ''مچھلی'' کیا گیا ہے، درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی ''تکلیف پہنچانے'' اور ''عذاب دینے'' کے ہوتے ہیں، لہٰذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لیے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل Poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی پر ہے، لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے، جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح، اللہ، بیٹا اور فدیہ ہوتے ہیں(۱)۔ گویا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فُول کی اصل یہی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے۔

اگر یہ بات درست ہے (لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ درست قرار دیا ہے اور اس کے شواہد پیش کیے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی، اور اس کا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی، لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لیے جاری کی، اسے عیسائیوں نے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کرلیا، بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہوگئے، اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں، اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کردیا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب و غریب ہے، جس

(۱)۔ اس تفصیل کے لیے دیکھئے فرید وجدی کی عربی انسائیکلو پیڈیا۔ دائرۃ معارف القرآن ص:۲۱و۲۲ ج:۱۔

صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہئے تھا، کہ وہ ان کی نگاہ میں قابلِ نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کردیا، اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو، یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا ردِعمل کہا جائے، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقعے سے جڑا ہوا ہے، اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہ رسم مندرجۂ ذیل بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے:

(۱) جھوٹ بولنا۔

(۲) دھوکہ دینا۔

(۳) ایک ایسے واقعے کی یاد منانا جس کی اصل یا تو بت پرستی ہے، یا توہم پرستی، یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔

اب مسلمانوں کو خود فیصلہ کرلینا چاہئے کہ آیا یہ رسم اس لائق ہے کہ اسے مسلمان معاشروں میں اپنا کر اسے فروغ دیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ماحول میں اپریل فُول منانے کا رواج بہت زیادہ نہیں لیکن اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ خبریں سننے میں آہی جاتی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپریل فُول منایا، جو لوگ بے سوچے سمجھے اس رسم میں شریک ہوتے ہیں، وہ اگر سنجیدگی سے اس رسم کی حقیقت، اصلیت اور اس کے نتائج پر غور کریں گے تو انشاء اللہ اس سے پرہیز کی اہمیت تک ضرور پہنچ کر رہیں گے۔

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

سورۃ البقرۃ

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے[۱] اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں[۲] وہ ایمان نہیں لائیں گے (۶) اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مُہر لگادی ہے[۳]، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لیے زبردست عذاب ہے۔ (۷)

---

(۱) یہاں اُن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ چاہے کتنے واضح اور روشن دلائل اُن کے سامنے آجائیں، وہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اَڑ گئے ہیں'' ترجمے میں ''کفر اپنا لیا ہے'' کے الفاظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۲) ''ڈرانا'' انذار کا ترجمہ کیا گیا ہے، قرآن کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو بکثرت ''ڈرانے'' سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو کفر اور بداعمالیوں کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں، لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ چاہے اُن کو دعوت دیں، یا نہ دیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، چونکہ انہوں نے تہیہ کررکھا ہے کہ کوئی بات ماننی نہیں ہے، اس لیے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۳) اس آیت میں واضح فرمایا گیا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی بڑی خطرناک چیز ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت وغیرہ کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کی اُمید ہوسکتی ہے، لیکن جو شخص غلطی پر اَڑ جائے اور یہ تہیہ کرلے کہ کسی بھی حالت میں بات نہیں ماننی، تو اُس کی ضد کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دل

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ
﴿۱۰﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ ۙ قَالُوْٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں[1] (۸) وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں، دھوکا دیتے ہیں، اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے[2]۔ (۹) ان کے دلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کر دیا ہے[3]، اور ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ (۱۰) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (۱۱) یاد رکھو! یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے۔ (۱۲)

پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کے بعد اس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے۔ لہٰذا اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر مہر لگا دی تو وہ معذور ہو گئے، اس لیے کہ یہ مہر لگانا خود انہی کی ضد اور یہ تہیہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ حق بات نہیں ماننی۔

(۱) سورت کے شروع میں پہلے مؤمنوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا، پھر اُن لوگوں کا ذکر ہوا جو کھلے کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک تیسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جسے ''منافق'' کہا جاتا ہے، یہ لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

(۲) یعنی بظاہر تو وہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ اس دھوکے کا انجام خود اُن کے حق میں بُرا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے وہ کفر کے دنیوی انجام سے بچ گئے، حالانکہ آخرت میں اُن کو جو عذاب ہوگا، وہ دنیا کے عذاب سے سنگین ہے۔

(۳) یہ وہی بات ہے جو پیچھے آیت نمبر ۷ میں کہی گئی تھی۔ یعنی شروع میں انہوں نے اپنے اختیار سے اس گمراہی کو اپنایا اور اُس پر اَڑ گئے، یہ اُن کے دل کی بیماری تھی۔ پھر اُن کی ضد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بیماری کو اور بڑھا دیا کہ اب انہیں واقعی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ط
أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِن لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا
قَالُوْا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ
﴿۱۴﴾ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾
أُولٰـئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے۔(۱۳) اور جب اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں[۱] کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کررہے تھے۔(۱۴) اللہ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں[۲] (۱۵) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہٰذا نہ اُن کی تجارت میں نفع ہوا، اور نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا۔(۱۶)

(۱) ''اپنے شیطانوں'' سے مراد وہ سردار ہیں جو ان منافقین کی سازشوں میں اُن کے سربراہ اور رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رسی دراز کررکھی ہے کہ ان کے دوغلے پن کی فوری سزا دُنیا میں انہیں نہیں مل رہی جس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری تدبیر کارگر ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی اس گمراہی میں اور پختہ ہوتے جارہے ہیں۔ آخرت میں انہیں ایک دم پکڑ لیا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل اُن کے ''مذاق'' کا نتیجہ تھا، اس لیے اُسے یہاں ''اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے'' کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

☆☆☆

HIRA FOUNDATION SCHOOL

A Division Of Jamia Darul Uloom Karachi

A Unique Blend Of Modern And Traditional Disciplines

Pre School to O'level integrated with Islamic Values,

Arabic Language And Hifzul Quran

Our Vision

Is To Facilitate Students to Become Well Educated , Successful and Practicing Muslims

Registration is Open NOW

Juniors to Class 6

Seats Are Limited

Contact : Jamia Darul Uloom Karachi

03002238124 , 02135040933,02135123007

0213504977-6 Ext. 374

E mail: info@hirafoundation.com

Website: www.hirafoundation.com

مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی

دیوبند میں شیخ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا اہم خطاب

قسط نمبر (۱)

۶؍جولائی ۲۰۱۰ء کی صبح اخبارات میں ایک چھوٹی سی خبر تھی کہ مشہور عالمِ دین اور شرعی عدالت پاکستان کے سابق جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی ۱۰؍جولائی کو دیوبند تشریف لا رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان کے علمی اداروں خصوصاً دیوبند اور مشربِ دیوبند سے وابستہ مدارس ومراکز، علماء وطلباء اور علم دوست حضرات کا سرزمین دیوبند سے ٹیلی فونک رابطوں کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ ہر کوئی جاننا چاہتا تھا کہ عالم اسلام کی مشہور شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سرزمین علم وروحانیت دیوبند میں کب آرہے ہیں؟ کہاں قیام ہے؟ کوئی عوامی پروگرام بھی ہے یا نہیں؟ زیارت وملاقات کی کیا صورت ہوگی؟

معلوم ہوا کہ محمود ہال میں مولانا کا استقبالیہ پروگرام رکھا گیا ہے۔

۱۰؍جولائی کو صبح ہی سے دیوبند میں عجیب خوشگوار ماحول تھا، فضائیں نور سے معمور تھیں، الگ ہی طرح کی رونق اور چہل پہل تھی۔ شیخ الاسلام[1] مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بذریعہ ٹرین تشریف لائے۔ اسٹیشن پر استقبالیہ کرنے والوں کا اس قدر ہجوم تھا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مولانا کا قیام مکتبہ نعیمیہ کے مالک جناب محمد انس صاحب کے مکان پر تھا۔ اس مکان کے اردگرد مشتاقان دید کی بھیڑ ہٹنے کا نام نہیں

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی خواہش اور ہدایت کے مطابق ہم عام طور سے البلاغ میں ان کے نام کے ساتھ ''شیخ الاسلام'' کا لقب شامل نہیں کرتے، لیکن یہ مضمون دوسرے رسالہ سے لیا گیا ہے جس میں ہماری اپنی طرف سے ترمیم مناسب نہ تھی اس لیے یہ مضمون بعینہ اسی طرح شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

لے رہی تھی، ہر کوئی ایک جھلک پانے کا متمنی تھا۔

ظہر کا وقت ہوتے ہوتے دیوبند میں باہر سے آنے والے مہمانوں کی اتنی بڑی تعداد آچکی تھی کہ محمود ہال میں پروگرام کا تصور بھی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا تھا۔ آخر اطرافِ دیوبند سے آنے والوں کا جو سلسلہ تھا وہ اور دیوبند میں موجود ہزاروں مشتاقانِ زیارت کے مجمع کو محمود ہال کیسے سمیٹ سکتا تھا؟ بہرحال منتظمین پروگرام کو احساس ہوا تو انہوں نے آناً فاناً پروگرام کو قدیم جامعہ طیبہ دارالعلوم دیوبند کے وسیع میدان میں منتقل کیا اور ہنگامی جدوجہد کے ساتھ اس کوشش میں کامیابی بھی حاصل کی۔

عصر کے وقت تک اہل دیوبند اور بیرونی مہمانوں سے دیوبند پٹا پڑا تھا۔ تمام گلی کوچوں میں علماء اور طلبائے مدارس کے نورانی وجود تھے۔ ایک ہلکی سی افواہ اُڑی کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا فرمائیں گے اور بعد عصر وہاں حضرت کا مختصر خطاب بھی ہوگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جامع مسجد دیوبند مشتاقانِ دید سے بھر گئی، لوگوں کی آمد اور بے پناہ ہجوم سے جامع مسجد کا دامنِ وسعت تنگ پڑ گیا۔ صفیں لگانے کے باوجود ہر کسی کی نگاہ دروازے کی طرف تھی، ہر شخص سوچ رہا تھا کہ نماز سے پہلے ہی مولانا کی ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے۔

نماز کا وقت ہوگیا، اقامت کہی گئی اور نماز مکمل ہوئی۔ سلام پھیرتے ہی شوقِ دید کے غلبہ کے سبب لوگ اپنی تسبیحات صفوں میں بیٹھ کر پوری نہ کرسکے بلکہ ایک دم امام سے قریب تر ہوگئے۔ خیال تھا کہ حضرت مفتی صاحب بالکل آخری وقت میں بچتے بچاتے امام صاحب کے آس پاس کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ اُن کو قریب سے دیکھنے کے لیے مجمع محراب کے اردگرد جمع ہوگیا اور اپنی تسبیحات پوری کیں۔ دعا ہوئی، لوگ سر اُٹھا اُٹھا کر اگلی صف میں امام کے قریب اپنی امیدوں کے مرکز کو ڈھونڈتے نظر آئے۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو آوازیں بلند ہوئیں "حضرت مفتی صاحب کہاں ہیں" معلوم ہوا کہ نماز میں یہاں نہیں آسکے۔ مجمع میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ راقم الحروف نے بڑے بڑے نامور علماء صلحاء کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے دیکھا اور مسجد پوری طرح بھری ہوئی تھی۔

گوہر مطلوب تک نہ پہنچنے کے تاسف کے ساتھ یہ مجمع یہاں سے منتشر ہوا اور اب رُخ اس مقام کی طرف تھا جہاں علمی دنیا کی اس مایہ ناز ہستی کے رُخِ زیبا سے برسرِ محفل نقاب اٹھنے والی تھی۔ میں

بعد العصر اپنے کرم فرما اور محسن جناب ڈاکٹر شمیم احمد سعیدی (بانی جامعہ طیبہ دیوبند) کی قیام گاہ پر بیٹھ گیا۔ یہاں بیٹھنے سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حضرت مفتی صاحب کی قیام گاہ یہاں سے نزدیک تھی، ہوسکتا ہے کہ جلسۂ عام سے قبل زیارت کا کوئی منظر نصیب ہو جائے۔

آج دیوبند میں گفتگو کا موضوع حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی ذات، ان کی تصنیفی خدمات اور بے پناہ مقبولیت تھا۔ ہماری مجلس میں بھی حضرت مفتی صاحب کی شخصیت، دورِ حاضر میں ان کی مختلف النوع اور بے مثال تحریری خدمات اور حیرت انگیز مقبولیت پر گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ اطرافِ دیوبند میں آفتابِ آسمان نے اپنی گردش کا سفر پورا کیا، گویا وہ علمی دنیا کے اُفق پر اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر درخشاں ماہتاب حضرت مفتی صاحب کی مجمع عام میں آمد کے قریب ہونے کا اعلان کر گیا۔ مسجدوں کے میناروں سے اذانِ مغرب کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ہم چند ساتھی مغرب کی نماز کے لیے پھر جامع مسجد پہنچے، مگر یہ کیا؟ ابھی ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس مسجد میں تلاش کرنے سے جگہ دستیاب نہ تھی، انسانوں کا ایک سیلِ رواں تھا مگر مغرب کی نماز میں صرف تین صفیں تھیں۔ اللہ اکبر۔

مغرب کی نماز کے بعد ہر شخص کا رُخ قدیم جامعہ طیبہ کے میدان (دارالعلوم کی نئی جامع مسجد کے سامنے خالی پڑے وسیع گراؤنڈ، جہاں جامعہ طیبہ دارالعلوم کی عمارت تھی) کی طرف تھا۔ آدمیوں کا سیلاب ایک بحرِ بیکراں کی طرح جلسہ گاہ کی طرف رَواں دَواں تھا۔ گرمی بہت تھی، راستے اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگے، میدان بھرنے لگا، ہر شخص اسٹیج کے قریب پہنچنے کا متمنی تھا، مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ میدان کے بھر جانے اور بہت پیچھے جگہ ملنے کے سبب بہت سے لوگ دارالاقامہ اور محمود ہال کی بالائی منزلوں پر چڑھ گئے، جس سے عجب ہی سماں تھا۔ ہر کوئی عالمِ اسلام کی اس مایہ ناز شخصیت (شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی) کی ایک جھلک پانے کا متمنی تھا۔ وہ قلم کے اس شہسوار کو دیکھنا چاہتا تھا جس کے قلم سے مختلف علمی، دینی اور ادبی موضوعات پر قابلِ قدر کتابیں نکل کر دینی مدارس، علمی مراکز اور علم دوست حضرات میں قبولیتِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ جو نہ اردو بلکہ انگریزی زبانوں پر بھی مکمل عبور رکھتا تھا۔ جو نہ صرف قدیم روایات کا حامل ہے بلکہ دورِ حاضر کے نت نئے مسائل کو بھی اسلامی فقہ کے سامنے سرنگوں رکھنے میں کامیابی حاصل کر کے تحقیق وعدالت کے جدید اداروں سے اپنی علمی بصیرت اور تفقہ کا لوہا منوا چکا تھا۔ وہ صرف علمی اور دینی مجالس ہی کی جان نہیں ہے بلکہ مختلف موضوعات پر منعقد ہونے والی

بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنی خداداد قابلیت سے مکمل رہنمائی کر کے ایک قابل قدر موجودگی درج کراتا ہے۔

میرا مقصد شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی شخصیت اور ان کی خدمات کا تعارف کرانا نہیں، نہ میں اس کا مکمل طور پر اہل ہوں، نہ ان کی شخصیت اس کی محتاج، یہ جس کا کام ہے وہ کرے گا، میرا مقصد تو حضرت مفتی صاحب کے دورۂ دیوبند سے متعلق چند باتیں عرض کرنا تھیں، اس ذیل میں اگر کچھ ذکر موضوع سے ہٹ کر ہو جائے تو متعلقاتِ موضوع جان کر اس کو بھی پڑھ لیجئے، بارِ خار نہ بنایئے۔

تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ، سیرت وتاریخ، سوانح وشخصیات، ردِّ فرق باطلہ وضالہ، اخلاق ومعاشرت، دعوت وتذکیر، توضیح وتشریح، اسلامی تعلیمات، غرض کہ کونسا ایسا ضروری موضوع، میدانِ تصنیف اور حالات حاضری کی ضرورت ہے جس پر لکھنے اور خوب لکھنے کی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں توفیق عنایت نہ فرمائی ہو۔ پھر نورٌ علی نور یہ کہ ان کی تمام ہی تالیفات علماء وطلباء اور اہل نظر حضرات میں شرفِ قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ ہندوستان میں جہاں اردو زبان کا دائرہ اتنا زیادہ وسیع نہیں، یہاں بھی حضرت مولانا کی لکھی ہوئی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں سالانہ فروخت ہوتی ہیں، جن سے ناشرینِ کتب لاکھوں روپے سالانہ کماتے ہیں، ان کی کتابیں، علمی کام، دنیا بھر میں علمی مجالس اور کانفرنسوں میں اسلام اور علمائے حق کی نمائندگی اور عظیم المرتبت ہستیوں کے ان پر اعتماد وتحسین بلاشبہ ان کو ''شیخ الاسلام'' کے معزز خطاب کا بجا طور پر مستحق قرار دیتا ہے۔

مولانا کی دینی، علمی، تصنیفی، تدریسی، تقریری، تحریری ہمہ گیر خدمات وہ ہیں کہ کم از کم اِس دور میں کوئی اس کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ شخص واحد کے لیے دیوبند میں اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا آنا اور وہ بھی خاص طور پر علماء وطلباء اور ذمہ دارانِ مدارس کا رجوعِ عام، پچھلی ربع صدی میں (جب سے احقر کی دیوبند آمد ورفت ہے) ایک مثال اور بے نظیر واقعہ ہے۔

خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعد مغرب قدیم جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کے وسیع میدان میں بے شمار انسانوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ انسانی نفوس کا یہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس شخصیت کی زیارت اور خطاب کا مخاطب بننے کے لیے نہ سخت گرمی کی پرواہ کر رہا تھا، نہ اس کو دھکے مکے کھانے سے پرہیز تھا، بس ہر آدمی

کی نگاہ اسٹیج کی جانب تھی جہاں وہ منظور نظر شخصیت اپنے جمال سے اس پورے مجمع کو منور کرنے والی تھی۔ بہر حال انتظار کے لمحات ختم ہوئے اور محمول ہال کی جانب سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی اسٹیج پر آمد ہوئی۔ ہر طرف نعرہائے تکبیر کی آوازیں بلند ہوئیں اور ''شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی زندہ باد'' کی صداؤں سے فضا گونج اٹھی۔ یہ نعرہ جہاں حاضرین جلسہ کی جانب سے مولانا کی تئیں اپنی قلبی احساسات کا ترجمان تھا وہیں دیوبند میں ان کی آمد کا استقبال اور تادیران کے سایہ امتِ مسلمہ پر قائم رہنے کی ایک قلبی دعاء تھی۔

مجمع کی کثرت اور حضرت مفتی صاحب کی مقبولیت دیکھ کر مجھے اس موقع پر ان ہی کا بیان کیا ہوا ایک واقعہ یاد آگیا۔ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ہارون رشید بغداد میں اپنے محل کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے شہرِ پناہ کے باہر سے بہت زبردست شور سنا۔ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں کسی دشمن نے شہر پر حملہ تو نہیں کر دیا۔ اس نے جلدی سے آدمی بھیجا کہ معلوم کرے کہ یہ کیسا شور ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور معلوم کر کے جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک آج اس شہر میں تشریف لانے والے تھے اور لوگ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو انہیں وہیں پر چھینک آگئی۔ اس چھینک پر انہوں نے ''الحمد للہ'' کہا اور استقبال کرنے والوں نے اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہا، یہ اس کا شور تھا۔ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورتِ حال سنی تو ہارون رشید سے کہا ہارون! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے، لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے اور حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو یہاں کھینچ کر نہیں لائی، بلکہ یہ صرف حضرت عبد اللہ بن مبارک کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں جمع کر دیا۔ (اصلاحی خطبات ج ۸ ص ۶۳۔۶۴)

آج کے دن بھی بالکل یہی منظر تھا، صرف حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کی محبت و عقیدت میں زبردست ہجوم اور انسانی سمندر یہاں جمع ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاب کی شخصیت پر آج بڑے سے بڑا آدمی رشک کر رہا تھا، اور زبانِ قال و حال سے کہہ رہا تھا کہ اصل حکومت تو ان کی ہے جو سیدھے دلوں

پر قابض ہوئے بیٹھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر حضرت مفتی صاحب کو برسرِ مجمع چھینک آ جاتی تو ان کی الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے والوں کا جو منظر ہوتا وہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کو دوہرا دیتا۔ خیر!

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کا خطابِ عام شروع ہوا، جس کا پورے مجمع کو بے صبری سے انتظار تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے بڑی ہی وجد آمیز، والہانہ اور پُر کیف انداز میں خطبۂ تقریر پڑھا۔ اس کے بعد اپنے خیالات وتأثرات سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ دورۂ دیوبند اور ان کا یہ خطاب چونکہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جس میں ہزاروں علماء، طلباء، اور ذمہ دارانِ مدارس نے شرکت کر کے براہِ راست آپ کی زیارت کی اور خطاب سے مشرف وفیضیاب ہوئے، لیکن لاکھوں حضرات وہ بھی ہیں جو اس موقع پر دیوبند نہ آ سکے، انہیں کے لیے حضرت کے دورۂ دیوبند کی یہ تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کے اس خطابِ عام کو بھی بلفظہ ہدیۂ قارئین کر دیا جائے، تاکہ جہاں دیوبند نہ آپانے والے حضرات کی محرومی کا کچھ سامانِ تلافی ہو سکے، وہیں یہ تاریخی خطاب تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو جائے۔ بیان کے الفاظ بالکل وہی اور اسی ترتیب سے ہیں جو حضرت مفتی صاحب نے ادا فرمائے۔ صرف دو چار مقامات پر مکررات یا ایک آدھ جملے کے حذف کی نوبت آئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○ الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، (اس جملے کو تین بار پڑھا) من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا. اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، واما بنعمة ربک فحدث ○

آمنت بالله صدق الله مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الامی الکریم ونحن علی ذلک من الشاهدین والشاکرین، والحمد لله رب العالمین.

جناب صدر معظم، حضرات علماء کرام، میرے طالب علم ساتھیو اور معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی میں بے شمار مقامات پر خطاب کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے، ملک میں بھی اور بیرونِ ملک میں بھی، اپنی زبان میں بھی اور دوسری زبانوں میں بھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی خطاب مجھے اتنا مشکل معلوم ہوا ہو جتنا آج معلوم ہو رہا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دل جن ملے جلے جزبات سے معمور ہے ان کو الفاظ کا جامہ پہنانا اور ان کے لیے مناسب تعبیرات تلاش کرنا مجھے انتہائی دشوار معلوم ہو رہا ہے۔

آپ حضرات نے جس محبت کے ساتھ، جس خلوص کے ساتھ مجھ ناکارہ کی عزت افزائی فرمائی اور جس محبت کا معاملہ فرمایا، میرے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے موزوں الفاظ موجود نہیں۔

آج کا یہ اجتماع، میرے ذہن میں یہ تھا کہ اپنے بچھڑے ہوئے ہم وطنوں، دوستوں، بزرگوں اور ساتھیوں سے ملنے کا اجتماع ہوگا، مقصود اس اجتماع کا میرے ذہن میں یہ تھا کہ محض ملاقات ہو اور ایک دوسرے سے تعارف ہو، مگر ماشاء اللہ یہ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے سر ہی سر، اِن کا مجھے پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔ اور نہ یہ کہ مجھے کسی طویل خطاب کی نوبت آئیگی، لہٰذا اس موقع پر اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے چند تأثرات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے انہیں صحیح طور پر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلی بات جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دل ملے جلے جذبات سے معمور ہے، یہ خاکِ دیوبند جس پر اللہ تعالیٰ نے آج مجھے بائیس سال کے بعد پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ وہ خاک ہے جس سے خود میرے وجود کا خمیر اُٹھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس دیوبند کا باشندہ اور اس دیوبند کا فرزند ہونے کا شرف بخشا۔ میں شباب کے عہد تک پہنچنے سے پہلے یہاں سے رخصت ہو گیا تھا، اور بچپن ہی میں میں نے اس

خاک کو خیر باد کہا تھا، لیکن آج ساٹھ سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بھی اس خاک کی محبت، اس خاک کا عشق کبھی دل ودماغ سے محو نہیں ہوسکا۔ اور یہ عشق ومحبت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاکِ دیوبند سے عطا فرمایا، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ میں یہاں پیدا ہوا، میرا خون کے رشتے یہاں پر موجود ہیں اور میرے اکابر کی ہڈیاں یہاں دفن ہیں، بلکہ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس شہر کی نسبت سے مشرف فرمایا ہے کہ جس شہر نے صرف ہندوستان ہی میں نہیں، صرف برصغیر ہی میں نہیں، پوری دنیا میں علم اور دین کا نور پھیلایا ہے، مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تقریباً ہر خطے کا سفر کروایا اور دنیا کے چھ براعظموں میں سے کوئی براعظم نہیں ہے جہاں مجھے بار بار جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو، اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات، وہاں کے حالات سے واقفیت کا موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ دیا ہو، لیکن اس دنیا کے اردگرد جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، کوئی جگہ مجھے ایسی نہیں ملی جہاں دیوبند کی روشنی نہ پہنچی ہو اور جہاں دیوبند کے فرزند، چاہے وہ دیوبند کے نسبی فرزند ہوں یا علمی فرزند ہوں، وہاں وہ کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

میں ایک مرتبہ انڈونیشیا کے ایک دور دراز علاقے میں، جہاں پہاڑی علاقہ تھا وہاں مجھے میرے میزبان لے گئے، لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ مصروفیات کے ہنگاموں میں چند لمحات تفریح کے میسر آجائیں، وہ ایک پہاڑی مقام تھا، وہاں ہم گھومنے کے لیے نکلے، مغرب کی نماز کا وقت آنے والا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے کسی مسجد میں لے جائیں، مسجد میں جاکر نمازِ مغرب پڑھی، جو صاحب امامت فرمارہے تھے، جب ان سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے فرزند ہیں۔

ایشیا ہو، افریقہ ہو، امریکہ، یورپ ہو، لاطینی امریکی ہو، آسٹریلیا ہو، نیوزی لینڈ ہو، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم دیوبند کے فرزند، براہ راست اس سے فیض حاصل کرنے والے یا بالواسطہ ان کے شاگرد وہاں کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام دے رہے ہوں۔ اور نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بستی، جس کے اندر کوئی تمدنی حسن کا اندازہ نظر نہیں آتا، ایک چھوٹی سی بستی جس میں سڑکیں بھی پوری طرح پختہ نہیں، جس کے گھر بھی کچے ہیں، ایک ایسی بستی جس کا دنیا کے شہروں اور بستیوں سے تقابل کیا جائے تو ظاہری حسن کے اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نظر نہیں آتا، لیکن اللہ جل جلالہ کی مقبولیت اور ہی

چیز ہے۔ وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے کو آفتاب و ماہتاب بنادے۔ وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے سے وہ کام لے لے جو آفتاب و ماہتاب کے بھی بس میں نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیوبند کی خاک کو ایسا ہی مقدس اور ایسا ہی ایمان افروز بنایا ہے کہ جہاں جہاں اس کا نور پہنچا ہے، جہاں جہاں اس کی روشنی پھیلی ہے، وہاں کے لوگ دیوبند سے واقف ہیں۔ ہم عرب ممالک میں جاتے ہیں، عرب علماء سے ملتے ہیں، اُن سے اگر پوچھو ہندوستان کے کسی بڑے شہر کا نام تو شاید سوائے دہلی اور بمبئی کے کسی اور شہر کا وہ نام نہ لے سکیں، لیکن اگر وہ مشہور شہروں کے بعد کسی شہر کو جانتے ہیں تو وہ دیوبند کا شہر ہے۔ وہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توفیق دی، جن کا نور دنیا میں پھیلا ہے۔

میں اس موقع پر آپ حضرات کو کیا پیغام دوں، لیکن جی چاہتا ہے کہ ایک مختصر سا پیغام آپ حضرات کی خدمت میں اس موقع پر پیش کروں، وہ یہ کہ دیوبند کی یہ شہرت، اس کی یہ نیک نامی، اس کا یہ تقدس جو دنیا کی آخری حدود تک پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ میں یہ سوچتا ہوں کہ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس دیوبند نے، دارالعلوم دیوبند نے علوم اور علم وتحقیق کے دریا بہائے، اگر یہ بات ہو تو میرے پاس ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی تو اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں، جن میں خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کے کام ہوتے رہے ہیں، کیا اس دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور ناموری اور اس کے نور کی وسعت کا سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم کے اندر کتب خانہ بڑا عظیم ہے، درس گاہیں بڑی شاندار ہیں، طلبہ بڑی کثرت سے یہاں پر پڑھتے ہیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سبب بھی نمایاں نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ایسی اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں جن میں طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہے، درسگاہیں بھی اچھی بنی ہوئی ہیں۔

یہاں میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، کے الفاظ عرض کرتا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ دیوبند کو دیوبند بنانے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے دین کی صحیح تعبیر، دین کا صحیح تصور، دین کے اوپر صحیح اعتدال والا عمل، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اس خاک کے بوریہ نشینوں کو عطا فرمایا ہے وہ بڑے بڑے علماء و محققین میں نظر نہیں آتا۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب ممالک میں بڑے بڑے محقق علماء دیکھے، تحقیق و تدقیق کے شناور بھی دیکھے، فصاحت و بلاغت کے شہسوار بھی دیکھے، لیکن وہ البیلا رنگ جو میں نے اپنے دیوبند

کے اکابر کے اندر پایا، وہ ساری دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا۔

وہ فرماتے تھے کہ میں نے اکابر کو جس طرح پایا، دین اور سنت کی جو تعبیر انہوں نے اپنے قول ہی سے نہیں کی، اپنے علم سے، اپنے طرزِ عمل سے، اپنی زندگی کی اداؤں سے دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ نظیر ہمیں دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ما انا علیہ واصحابی کی مجسم تصویر میرے ان اکابر کو بنایا تھا۔ اور کبھی کبھی یہ فرماتے تھے ؎

اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم   اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مجھے جن اکابر کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی نظیریں میں نے نہیں دیکھیں۔ بات یہ تھی کہ دین کی صحیح تعبیر، سنت کا صحیح مقام اور سنت کی عملی تصویر اُن کی زندگی کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی مثالیں (بیان یہاں تک پہنچا تھا کہ دار العلوم کی مسجد سے صدائے اذان بلند ہوئی، حضرت مولانا نے بیان موقوف فرمادیا اور دست بستہ اذان کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے اور دھیمی مگر قابل مسموع آواز سے کلماتِ اذان کے جوابات ادا فرمائے۔ اختتامِ اذان کے بعد پھر سلسلۂ بیان جاری فرمایا) میں عرض یہ کررہا تھا کہ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن سے پچپن تک کا زمانہ دیوبند کے اندر گزرا اور اگر کبھی دیوبند سے چند دنوں کے لیے باہر جانا پڑتا تھا تو مجھے شاق گزرتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ دیوبند کی بنیادی خصوصیت درحقیقت وہ بزرگ تھے۔ یہ حضرات ''ما أنا علیه وأصحابی'' کی صحیح تفسیر تھے۔ دین کا جو معتدل مزاج ہے، دین کی جو معتدل تفسیر ہے وہ اگر ہم نے کہیں دیکھی تو دیوبند کے اکابر میں دیکھی۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ یہ پانچ شعبے مل کر دین بنتے ہیں، تو میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے جو ایک معتدل مزاج اپنی تحریر وتقریر سے بھی اور اپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا درحقیقت اسی کا نام دیوبندیت ہے۔ عقائد میں اعتدال ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں اور اُن میں سے ایک کے اوپر مجھے بھی کچھ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جس میں، میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مسلکِ دیوبند کو واضح

کرنے کے لیے درحقیقت کسی الگ کتاب کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کوئی فرقہ نہیں ہے جو جمہور امت سے ہٹ کر پیدا کردیا گیا ہو۔ آپ اہل سنت کے عقائد کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھو، وہ مسلک علمائے دیوبند ہے اور قرآن وحدیث سے جو صحیح عقائد ثابت ہیں اُن کو اٹھا کر دیکھ لو وہ مسلکِ علمائے دیوبند ہیں۔ تو عقائد میں بھی اعتدال، عبادات میں بھی اعتدال، معاملات میں بھی اعتدال، معاشرت میں بھی اعتدال اور اخلاق میں بھی اعتدال، دین کی یہ صحیح تصویر ہے جو یہاں کے اکابر نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

ایک جملہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ''وہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں تھے''، یعنی علم وفضل کے پہاڑ ہیں اور تحقیق وتدقیق کے شناور ہیں لیکن ان کے سراپا کو دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اپنے علم وکمال کی ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا اور کہاں مرگیا۔ یہ حضرات ایسے تھے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ مفتیٔ اعظم ہند، جن کے فتاویٰ دس جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان کی کسر نفسی دیکھیے، محلے کی بیوہ اور ضرورت مند عورتوں کا سودا سلف بازار سے لا دیتے، اور اس میں بہت سی بار عجیب صورتِ حال پیش آتی، کبھی کوئی بڑی بی کہتیں مفتی صاحب میں نے تو آپ کو ہرا دھنیا لانے کو کہا تھا۔ آپ پودینہ اٹھا لائے، یا میں نے تو آپ کو پاؤ بھر کہا تھا آپ تو آدھا پاؤ لے آئے۔ تو کہتے بی بی کچھ فکر نہ کرو، میں ابھی جاتا ہوں، مجھ سے غلطی ہوگئی، دوبارہ جا کر تمہارے مطلب کی چیز لے آتا ہوں، دوبارہ پہنچا دیتے۔ یہ تھا مفتیٔ اعظم ہند، نہ کوئی غرور ہے، نہ کوئی تکبر ہے، نہ اپنی ذات کے کمال کا کوئی احساس ہے، اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں، فنا کیے ہوئے ہیں۔ فرماتے تھے ''یہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں تھے''۔

جاری ہے.........

☆☆☆

اہلِ علم کے لئے عظیم خوشخبری

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی رسائل ومقالات کا نادر مجموعہ ''جواہر الفقہ'' فقہی ترتیب کے ساتھ ''سات جلدوں'' میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے، جس میں کتاب العقائد سے لیکر کتاب الوصایا تک کے مختلف فقہی موضوعات پر حضرت مفتی صاحبؒ کے قیمتی رسائل ومقالات شامل ہیں۔

- امپورٹڈ پیپر
- دیدہ زیب ٹائٹل
- خوبصورت بکس میں پیکنگ کے ساتھ
- بذریعہ ڈاک منگوانے کی سہولت
- قیمت مکمل سیٹ بمع پیکنگ -/4600 روپے
- طلباء کے لئے خصوصی رعایت

مکتبہ دارالعلوم کراچی

احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی

کورنگی انڈسٹریل ایریا، پوسٹ کوڈ نمبر:75180 فون نمبر:021-35042280, 35049774.6

مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاموشی۔ ذریعۂ نجات

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ صَمَتَ نَجَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.
(مِشْكوٰةُ الْمَصَابِيْح ص ٤١٣)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

راوی: اس حدیث شریف کے راوی سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، یہ اپنے والد فاتحِ مصر حضرت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ہیں ان کے والد اور ان کی عمر میں صرف تیرہ سال کا فرق تھا، یہ اپنے والد سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، یہ خود بھی مہاجر صحابہ میں سے ہیں اور ان کا شمار ان صحابہؓ میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی روایات محفوظ کرکے آگے امت کو نقل کی ہیں، علم اور عبادت ان کا مشغلہ تھا اور اس معاملہ میں وہ اپنے زمانہ میں معروف تھے وہ احتیاط کے پیشِ نظر حدیثیں صرف زبانی ہی یاد نہیں رکھتے تھے بلکہ انہوں نے تحریری طور پر اپنی ان حدیثوں کو محفوظ کرکے کتابی شکل میں جمع کیا ہوا تھا، حدیث شریف کے اس اہم مجموعہ کا نام ''الصحيفة الصادقة'' تھا اور وہ اپنے اس مجموعہ کی بہت حفاظت کرتے تھے۔

کافروں کے خلاف اسلامی جہاد میں بھرپور حصہ لیتے رہے لیکن جب مسلمانوں میں باہمی قتال کا فتنہ پھوٹا تو وہ کئی دوسرے صحابہ کی طرح اس قتال سے بالکل علیحدہ رہے اور علم وعبادت میں منہمک ہوکر

دین کی خدمت کرتے رہے یہانتک کہ بہتّر سال کی عمر پاکر ۶۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا، رحمة الله تعالیٰ رحمة واسعة و رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وأرضاه۔

روایت: یہ روایت مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی، شعب الایمان بیہقی کے علاوہ مسند عبد بن حمید، مسند عبداللہ بن المبارک میں بھی تخریج کی گئی ہے، اس حدیث کی اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن عبد البرؒ نے الاستذکار میں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں، علامہ عینیؒ نے عمدة القاری میں ملا علی قاریؒ نے مرقاة المفاتیح میں اور امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں اسے مستند قرار دے کر اسے بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے اور اکابر علماء محدثین فقہاء اور صوفیاء اس حدیث کو بیان کرتے چلے آئے ہیں

اجمالی تشریح: یہ مختصر ترین حدیث شریف صرف ایک چھوٹے سے جملہ بلکہ صرف تین لفظوں پر مشتمل ہے لیکن اس میں دنیا وآخرت کی نجات کا ذریعہ بتا دیا گیا ہے، کہ اگر انسان فضول بولنے کی عادت ترک کر دے اور حتی الامکان خاموشی کا راستہ اختیار کرلے تو دنیا میں فتنوں سے اور آخرت میں گناہوں سے اس کی نجات ہوجاتی ہے "جو خاموش رہا اس نے نجات پائی"۔

تفصیلی تشریح: زبان انسانی جسم میں گوشت کا وہ چھوٹا سا لوتھڑا ہے جو انسان کو جنت تک بھی پہنچا دیتا ہے اور جہنم میں اُوندھے منہ بھی گرا دیتا ہے، زبان اور دل سے کلمۂ طیبہ پڑھ کر قبول کرلیا جائے تو ستر برس کا کافر بھی جنت میں چلا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس زبان کو غلط استعمال کیا جائے تو اس کے نقصانات بھی بے شمار ہیں، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے کہ زبان کو غلط حرکت دینے سے بیس بڑے بڑے گناہ وجود میں آجاتے ہیں جن میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان، الزام تراشی، فضول بحث، فحاشی، گالم گلوچ، پُر تکلّف مصنوعی گفتگو، لعن طعن، گانا بجانا، دوسروں کا مذاق اڑانا، جھوٹا وعدہ کرنا، دوسروں کے راز فاش کرنا، دوسروں کی چاپلوسی اور خوشامد کرکے ان کی تعریف کرنا، دینی معاملات میں غیر محتاط گفتگو کرنا شامل ہیں اور یہ سب بڑے گناہ زبان کو حرکت دینے اور بولنے سے وجود میں آتے ہیں جبکہ خاموش رہنے میں ان سب گناہوں سے نجات ہے۔

امام غزالیؒ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ:

''اگر گفتگو چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے''

یعنی اگر تردّد ہو کہ بات کروں یا نہ کروں تو ایسی صورت میں بھی خاموش رہنا بہتر ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

اذا رأيتم العبد يُعطٰى زهدًا في الدنيا وقلة منطق فاقتربوا منه فانه يلقى الحكمة. (مشكوة المصابيح ص٤٤٦)

ترجمہ: یعنی جب تم اللہ کے کسی بندہ کو دیکھو کہ دنیا سے اس کا دل لگا ہوا نہیں ہے اور گفتگو کم کرتا ہے تو اس کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اُسے حکمت دی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر داعی اور مبلغ کون ہوسکتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ شمائل کی کتابوں میں ذکر کی گئی ہے کہ آپ طویل خاموشی اختیار فرماتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح جلدی جلدی باتیں نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ آپ اس طرح (ٹھہر ٹھہر کر) گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی شخص آپ کے جملوں کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ (متفق علیہ۔ مشکوۃ ص ۵۱۹)

لہٰذا ایک مسلمان کو حتی الامکان خاموشی اختیار کرنی چاہئے اور جب تک کوئی ضرورت یا حاجت داعی نہ ہو تو بلا وجہ بولنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

احقر اپنے شیخ ومربی ومرشد ومحسن حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ملتان جاتا تھا، عصر کی نماز کے بعد حضرت بیٹھک کا دروازہ بھی کھول دیتے تھے، کوئی آکر ملنا چاہے یا پاس بیٹھنا چاہے تو بیٹھ سکتا تھا، لیکن بکثرت ایسا ہوتا کہ مجلس میں آدھا آدھا گھنٹہ گذر جاتا اور حضرت خاموش ہی رہتے کبھی کچھ نصیحت کرنی بھی ہوتی تو حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے ان کی کوئی بات یا ان کا کوئی ملفوظ نقل کرکے کی نصیحت کردیتے۔ اب اس ''خاموش مجلس'' کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۴ء میں احقر کو مدینہ منورہ میں بغرض تعلیم قیام کی سعادت نصیب ہوئی تو احقر اکثر

عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے بالکل ساتھ مدرسہ علوم شرعیہ چلا جاتا جہاں اندر نیچے کے ایک کمرہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ قیام پذیر تھے، وہ چار پائی پر تشریف فرما ہوتے، ہم چار پائی کے گرد ان کے پاس دری یا قالین پر بیٹھ جاتے حضرت شیخ الحدیثؒ بھی آدھ آدھ گھنٹہ خاموش رہتے، ضروری بات کے علاوہ کچھ گفتگو نہ فرماتے۔

البتہ ۱۹۸۰ء۔۱۹۸۱ء میں جب احقر حاضر ہوا تو حضرت کی مجلس میں دینی کتاب پڑھی جاتی تھی اور حضرت کبھی کبھار کوئی مختصر بات فرما دیتے ورنہ خاموش رہتے۔

احقر کے محسن و مشفق دادا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ بھی اپنی مجلس میں اکثر خاموش رہتے، ان کی مجلس میں دینی کتاب یا حضرت تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات پڑھے جاتے کبھی کسی بات کی تشریح کرنی ہوتی تو کر دیتے وہ بھی عمومی مجلس میں، ورنہ عام حالات میں وہ بھی خاموشی اختیار فرماتے یا اپنے کام میں لگے رہتے، تصنیف و تالیف ورنہ ذکر اللہ۔

خلاصہ یہ کہ خاموشی میں نجات ہے، اور جب تک کوئی ضرورت یا حاجت نہ ہو تو فضول بولنے سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ فضول گفتگو کا نقصان ہی نقصان ہے اور

مَنْ صَمَتَ نَجَا

''جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی''

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا ندیم الواجدی (دیوبند۔انڈیا)

مغرب میں قبولِ اسلام کا بڑھتا ہوا رجحان

۵/جنوری ۲۰۱۱ء کے اخبارات میں پی ٹی آئی کے حوالے سے یہ خبر چھپی ہے کہ برطانیہ میں مشرف باسلام ہونے والوں کی تعداد میں دوگنا اضافہ ہورہا ہے، برطانوی بین عقائد مکتب فکر فیتھ میٹرس نے اپنی ایک جامع رپورٹ میں کہا ہے کہ اندرون ملک اسلام سے نفسیاتی خوف کی لہر تیز ہونے کے باوجود مشرف باسلام ہونے والوں کی تعداد میں گذشتہ دہائی کے دوران دوگنا اضافہ درج کیا گیا ہے، سابقہ جائزوں میں یہ تعداد چودہ سو پچیس ہزار تک بتلائی گئی تھی، فیتھ میٹرس کی تازہ ترین جائزہ رپورٹ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حقیقی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہوسکتی ہے، اور ہر سال دس ہزار غیر مسلم افراد مشرف باسلام ہوتے ہیں۔

امریکہ میں ۱۱/۹ اور لندن میں سات جولائی کے بم دھماکوں کے بعد برطانیہ میں اسلام سے نفسیاتی خوف میں شدت تو پیدا ہوئی ہے لیکن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد اس سے غیر متاثر ہے، روزنامہ دی انڈپنڈت نے یہ اطلاع دیتے ہوئے بتلایا کہ ۲۰۰۱ء کے دوران اسکاٹ لینڈ میں مردم شماری کے اعداد وشمار کے تجزیئے کے بعد پورے برطانیہ میں اس نوعیت کا سروے کیا گیا، اسکاٹ لینڈ مردم شماری (۲۰۰۱ء) کے دوران شہریوں سے ان کے مذہب کے متعلق بھی سوال کیا گیا، اسکاٹ لینڈ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا سروے تھا، اہل کاروں نے لندن کی مساجد کے مصلیوں کے اعداد وشمار اور نو مسلمین کے اعداد وشمار اکٹھے کئے جن سے پتہ چلا کہ لندن میں گذشتہ بارہ ماہ میں چودہ سو غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، معلوم اعداد وشمار سے اور پورے ملک میں نامعلوم اعداد وشمار کی قیاس آرائی سے منکشف ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار دو سو غیر مسلم ہر سال اسلام قبول کررہے ہیں، فیتھ میٹرس کے ڈائریکٹر فیاض مغل نے بتلایا کہ نو مسلمین کی حقیقی تعداد کا اندازہ لگانا انتہائی دشوار ہے، تاہم یہ رپورٹ سب سے زیادہ قابل اعتبار

ہے جو مردم شماری کے اعداد وشمار پر مبنی ہے۔

یہ صرف برطانیہ کی خبر ہے، پورے یورپ اور امریکہ کا یہی حال ہے، لوگ بہت تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، حالانکہ مغربی میڈیا نے اسلام کی شبیہ خراب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، سب سے بڑا واقعہ نائن الیون کا ہے، جس کے ذریعہ میڈیا نے یہ ثابت کرنے کی کوش کی کہ مسلمان دہشت گرد ہیں، ملک دشمن ہیں، پر امن زندگی گذارنے والوں کے لیے دہشت گردی سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہوسکتا، حادثے کے بعد تو کچھ دنوں کے لیے ایسا محسوس ہوا کہ پوری دنیا اسلام مخالف بن گئی ہے، واقعہ تھا ہی اتنا خوف ناک کہ چند لوگ اٹھے، انہوں نے جہاز کرائے پر لئے، اور امریکہ کی تجارتی سرگرمیوں کے سب سے بڑے مرکز ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور دوسری عمارتوں سے ٹکرادیئے، اربوں ڈالر کے مالی نقصان کے علاوہ پانچ ہزار جانیں بھی ضائع گئیں، جو سب کی سب بے قصور تھیں، امریکہ اور یورپ میں ایک جان کی بھی بڑی قیمت ہے، چہ جائیکہ بیک وقت اتنی جانیں ختم ہو جائیں۔

اس واقعے نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا، ابتدائی ردعمل فطری تھا، لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بن گئے، اوران سے خوف کھانے لگے، لیکن آہستہ آہستہ حقائق سے پردہ اٹھنے لگا، خود امریکیوں نے نائن الیون کی حقیقت کھول دی، آج ایک بڑی تعداد یہ بات جان گئی ہے کہ نائن الیون کا واقعہ ہوا ضرور مگر اس کے لیے جن لوگوں کو قصور وار ٹھہرایا جارہا ہے وہ بالکل بے قصور ہیں، جوں جوں یہ حقائق منکشف ہوتے رہے، لوگوں میں تجسس بڑھتا رہا، ذرائع ابلاغ کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود مغرب میں اسلام کے حلقہ بہ گوشوں کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے، اور یہ پیشین گوئی ہونے لگی ہے کہ مغرب کے کئی ملکوں میں اسلام ایک بڑی مذہبی طاقت کی صورت میں ابھرنے والا ہے، یہ بات بڑی اہم ہے کہ برطانیہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد خواتین کی ہے، ایسی ہی ایک نومسلم خاتون روز کنڈرک ہیں، جنہوں نے نائن الیون کے بعد اسلام قبول کیا، وہ مذہبی تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آنے والے بیس سالوں میں برطانوی نومسلموں کی تعداد ان مسلمان تارکین وطن کے برابر ہو جائے گی یا اس سے بڑھ جائے گی جو اس مذہب کے ساتھ برطانیہ میں داخل ہوئے ہیں۔

برطانیہ اپنے آبائی مذہب کے حوالے سے سخت آزمائش کا شکار ہے، ایک طرف تو عیسائیوں کی آبادی مسلسل گھٹ رہی ہے، دوسری طرف مسلمانوں کی شرح پیدائش میں اضافے کے رجحان سے ان کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، پھر قدیم عیسائی خاندانوں کے عورت مرد بڑی تعداد میں مذہب تبدیل کرکے مسلمان بن رہے ہیں، حالات پر نظر رکھنے والے ماہرین کا خیال ہے کہ دو ہزار بیس تک برطانیہ میں عیسائی آبادی بہتر(۷۲) فی صد سے گھٹ کر بتیس(۳۲) فیصد رہ جائے گی، برطانوی ماہرین اپنے ملک میں خطرناک حد تک کمی کی طرف مائل شرح پیدائش سے سخت پریشان ہیں، کہا جارہا ہے کہ آنے والے تین عشروں میں برطانیہ میں بچوں کے چچا، ماموں، پھوپھا اور خالو نہیں ہوں گے۔ بلکہ صرف باپ، دادا پردادا ہوں گے، کیوں کہ وہاں بچوں کی شرح پیدائش خطرناک حد تک گرتی جارہی ہے۔

عیسائی خاندانوں میں شرح پیدائش کی کمی کا رجحان صرف برطانیہ ہی میں نہیں بلکہ یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی پایا جارہا ہے، امریکہ، جاپان اور آسٹریلیا میں بھی شرح پیدائش میں کمی روز افزوں ہے، اخبارات میں جو تجزیاتی رپورٹیں وقتاً فوقتاً چھپتی رہتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرانس میں ایک خاتون پر بچوں کی اوسط تعداد آج ۱ء۹ ہے جب کہ آبادی میں اضافے کے لیے کم از کم ۲ء۰۷ ہونا چاہئے گویا فرانس کی شرح پیدائش کو اس وقت موجود شرح پیدائش کے مقابلے میں ڈیڑھ گنا ہونا چاہئے، اس ملک میں شرح پیدائش شرح اموات کے مقابلے میں نہایت کم ہے جس نے ملک کے حکمرانوں کی نیندیں اڑادی ہیں، اسی لیے زیادہ بچے پیدا کرنے والی ماؤں کے لیے پرکشش مراعات کا اعلان کیا گیا ہے۔

جاپان کا موجودہ معاشرہ بچوں سے خالی معاشرہ ہے، کیوں کہ وہاں شرح پیدائش تیزی کے ساتھ گرتی جارہی ہے، اس ملک کی خواتین بچے پیدا کرنے کے حق میں نہیں ہیں، اگر وہاں یہی رجحان برقرار رہا اور بچوں کی شرح پیدائش ۱ء۲۹ کے حساب سے جاری رہی تو ۳۳۰۰ء تک پوری جاپانی قوم دنیا سے ختم ہوجائے گی، کہا جارہا ہے کہ دنیا میں ۲۰۵۰ء تک ہر تین میں سے ایک فرد بوڑھا ہوگا، مارچ ۲۰۰۸ء میں اقوام متحدہ نے آبادیات پر جو رپورٹ جاری کی ہے اس کی رو سے ۲۰۵۰ء تک جاپان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، یورپ اور جنوبی امریکہ میں سالانہ ۱۰ لاکھ افراد کی کمی ہوگی، جب کہ اس سال تک جاپان میں اسّی فی صد آبادی

بوڑھوں پر مشتمل ہوگی، آسٹریلیا میں اس کی پر قابو پانے کے لیے کمسن بچیوں کے حاملہ ہونے کی ہمت افزائی کی جارہی ہے، جو عورتیں بچے پیدا کررہی ہیں انہیں تیرہ ہزار پانچ سو امریکی ڈالرفی بچہ بونس دیا جارہا ہے، چین کا حال سب سے بُرا ہے ایک جوڑا ایک بچے کی پالیسی کی وجہ سے لڑکیاں قتل کی جارہی ہیں، اندازہ ہے کہ ۲۰۲۰ء تک تیں کروڑ چینی لڑکے بن بیاہے رہ جائیں گے۔

اس پورے معاملے کا خوش کن پہلو یہ ہے کہ عیسائی آبادی روبہ زوال ہے، اور مسلم آبادی لگاتار بڑھ رہی ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امریکہ اور آسٹریلیا سمیت مغربی ممالک افرادی قوت میں کمی کا شکار ہیں، اس کمی کے ازالے کی خاطر بڑی تعداد میں مسلمان تارکین وطن ہجرت کرکے ان ملکوں میں سکونت اختیار کررہے ہیں، دوسرے مذہبی اعتبار سے مسلمانوں میں آبادی پر کنٹرول کا منصوبہ بند تصور نہیں ہے، انفرادی طور پر کوئی خاندان کم بچوں کی پیدائش پر یقین رکھے یہ الگ بات ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے مسلم خاندانوں میں بچوں کو پیدا ہونے سے روکنے کے لیے کوئی اقدام کرنا مذہبی گناہ سمجھا جاتا ہے، دوسری طرف ان ملکوں کے اصل باشندے جو عیسائی ہیں اسلام کی طرف مائل ہورہے ہیں اور اسلام قبول کرکے مسلم آبادیوں میں ضم ہوکر مسلم آبادی میں اضافے کا سبب بن رہے ہیں، ایک برطانوی صحافی خاتون اوریانہ فلاسی کا تجزیہ یہ ہے کہ آنے والے بیس سالوں میں پورے یورپ کے کم ازکم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے، کیونکہ ان شہروں میں مسلمان کل آبادی کا تیں سے چالیس فی صد تک ہوجائیں گے، اس وقت فرانس میں مسلمانوں کی کل آبادی پچاس لاکھ اور جرمنی میں پینتیس لاکھ سے زیادہ ہے، جو لگاتار بڑھ رہی ہے، یورپی یونین کے ملکوں میں اگر اشاعت اسلام کی یہی رفتار رہی تو مسلمانوں کی تعداد آئندہ پچیس برسوں میں چھ کروڑ سے تجاوز کرجائے گی، برطانوی پالیسی ساز ادارے کرسچن ریسرچ سینٹر کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۳۳ء تک برطانیہ کے چار ہزار چرچ مقفل ہوجائیں گے یا انہیں فروخت کردیا جائے گا، ایک عیسائی مستشرق برناڈ رلیوس نے پیشین گوئی کی ہے کہ ۲۰۹۰ء تک سارا یورپ مسلم اکثریتی علاقہ بن جائے گا۔

یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ مغرب کے منفی پروپیگنڈے کے باوجود لوگوں کے دل ودماغ میں اسلام

کی جستجو بڑھ رہی ہے، یہ سلسلہ سلمان رشدی نے ''سیٹنک ورسیز'' لکھ کر شروع کیا تھا، پوری دنیا میں مسلمانوں کے شدید احتجاج اور سلمان رشدی کے خلاف فتویٰ قتل کے بعد مغربی اقوام کو اسلام کا مطالعہ کرنے کا خیال آیا، خلیجی جنگ، افغانستان کی صورت حال اور دوسرے واقعات نے اس خیال کو تقویت بخشی، آج صورت حال یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے نوجوانوں میں اسلام سے دل چسپی کا رجحان بڑھ رہا ہے، امریکی عیسائی قرآن کریم کا مطالعہ کرنے لگے ہیں، امریکہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ ہے، ہر سال چھ فی صد کے حساب سے بیس ہزار امریکی مشرف باسلام ہوئے ہیں، فرانس اور برطانیہ صرف دو ملکوں میں گذشتہ دس برسوں کے اندر ایک لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر جو نامناسب سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں بھی لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی گئی، کچھ بدبختوں نے کارٹون بنا کر مسلمانوں کی دل آزاری بھی کی، ان منفی کوششوں نے بھی مغرب کے باشندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی شخص کھلے دل اور صاف ذہن کے ساتھ سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس میں بڑی کشش محسوس کرتا ہے مغرب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے پہلوؤں سے سبق حاصل کیا اور انہیں اپنے لیے مشعل راہ بنایا، برطانیہ کے رہنے والے سلیم آرڈی گرے کہتے ہیں کہ جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو اس کی ہر بات مجھے اپنے خیالات کے مطابق محسوس ہوئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مجھے میرے تمام مسائل کا حل مل گیا، وسیم بی بشیر پکارڈ کہتے ہیں کہ عظیم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی محبت اور عقیدت کے جلو میں وصال فرمایا، آپ نے کفار کی جانب سے دی گئیں تکالیف اور مصائب کا مقابلہ غیر متزلزل استقامت اور اللہ پر بھروسے کے ساتھ کیا، فتح مکہ کے تاریخی موقع پر آپ نے شکست خوردہ دشمنوں سے رحم وکرم کا سلوک کیا اور اپنی قوت اور خوش حالی کے عروج پر بھی سادگی، کفایت شعاری اور بڑے چھوٹے سب سے برابر رحم دلی کا مظاہرہ کیا۔ (اردو ترجمہ why Islam is our only choice ص:۴۱۴-۴۱۵)۔

اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم بنی نوع انسان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے، عقل اور انسانیت کے دشمنوں نے اسے بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی، مگر جب اہل مغرب میڈیا کے خلاف حقیقت پروپیگنڈے سے ہٹ کر قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں ایسا لگا کہ ان پر فلاح کے رازہائے سربستہ منکشف ہوگئے ہوں، اور ہدایت کے بند دروازے کھل گئے ہوں، ایسے ہی کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے ابدی زندگی کی کامیابی کا راز قرآن کریم کی آیات میں پایا ہے، ایسے ہی نومسلمین میں سے ایک ہیں اسکاٹ لینڈ کے داؤد کووان، انہوں نے اعتراف کیا کہ اس کلام مقدس میں جو بات مجھے بہت زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کی بلاغت لسانی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے جسے قرآن کریم بار بار پیش کرتا ہے ڈیوڈ عمر نکلسن کہتے ہیں کہ قرآن کریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے، ایک اور نومسلم جے ایم ڈی کہتے ہیں کہ حسن اور حکمت سے بھرپور کتاب قرآن کو غور وفکر سے پڑھنے والا کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، آج تک کوئی انسان ایسی تحریر نہیں لکھ سکا جو اس کے حسن، فلسفہ اور سادگی کی برابری کر سکے۔

تلاوت شروع کرنے کے بعد قرآن کریم کا مطالعہ ترک کر دینا کسی بھی مسلمان کے لیے ناممکن ہے کیوں کہ یہ کتاب دلوں میں ولولہ پیدا کرنے والی ہے اور اس میں سچ کے سوا کچھ بھی شامل نہیں ہے، اٹلی کے کاؤنٹ ایڈورڈو جیوجا کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں وہ سب کچھ موجود ہے جو انسان کو اپنی روح کی بالیدگی کے لیے چاہئے، امریکہ کے ہیری ای ہائنکل نے اعتراف کیا کہ عیسائیوں کی بائبل تو شاید ایسی تو کتاب ہے جسے امریکہ میں بھی کوئی نہیں جانتا، مگر قرآن حکیم وہ کتاب ہے جسے ہر مسلمان پڑھتا ہے۔

حسن ڈی میتھوز کہتے ہیں ''میں نے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو اس کی بلند ہدایات اور یقین پرور عبارات دیکھ کر حیران رہ گیا جو روزمرہ زندگی میں انسان کی اتنی دانش مندانہ اور قابل عمل نصیحتیں کرتی ہیں'' سری لنکا کے مومن عبدالرزاق کہتے ہیں ''میں نے قرآن حکیم کی کچھ آیات پڑھیں تو میں حیران رہ گیا، میرا خیال تھا کہ بائبل کے پائے کی کوئی اور کتاب نہیں ہوسکتی، تاہم قرآن کے مطالعے سے مجھے معلوم ہوا کہ میں شدید غلطی میں مبتلا تھا، قرآن کریم سچائیوں سے بھرپور ہے، اس کی تعلیمات قابل عمل ہیں اور

انتہا پسندانہ نظریات اور پراسرار باتوں سے پاک ہیں"۔

امریکہ کے سیف الدین ڈرک والٹر کہتے ہیں "قرآن کریم کے مطالعہ سے قبل اسلام کے بارے میں میری رائے اچھی نہ تھی، میں نے تجسس کی بنا پر اس مقدس کتاب کا مطالعہ شروع کیا، بے دلی کے ساتھ یہ سمجھ کر کھولا کہ اس میں مجھے سنگین غلطیاں، کلمات کفر، توہمات اور تضادات نظر آئیں گے، میں نے دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک سورت کا مطالعہ شروع کیا، پھر دل میں شوق پیدا ہوا اور آخر کار ریچ کے لیے زبردست پیاس جاگ اٹھی، پھر میری زندگی کا وہ اہم ترین لمحہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے نواز دیا، قرآن کریم کے مقدس صفحات میں مجھے اپنے تمام تر مسائل کا حل، تمام ضروریات کی تکمیل اور تمام شبہات کا ازالہ مل گیا" (بحوالہ اردو ترجمہ why islam is our only choice ص: ۳۵۸، ۴۰۴) نومسلموں کے اعترافات کہاں تک نقل کیے گئے جب بھی کوئی پڑھا لکھا شخص اسلام قبول کر لیتا ہے وہ اسلام کی کسی نہ کسی خوبی سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوتا ہے کسی کو اسلامی عقائد اور تعلیمات پسند ہیں، کسی کو اسلام کی پاکیزگی اور سادگی پسند ہے، کوئی اسلام کے دل کش حسن، اور قرآن کے علمی خزانوں سے مسحور ہے، کسی کو اسلام کی سیاسی معاشی اور سماجی تعلیمات سے اسلام قبول کرنے کی تحریک ملی ہے، کوئی اسلام کو عملی مذہب سمجھ کر حلقہ بہ گوش اسلام ہوا ہے، اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو معاشرے کے ہر فرد کو اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، آج جس تیزی کے ساتھ اسلام کے دامن میں پناہ لینے والوں کا حلقہ وسیع ہو رہا ہے، وہ اس کی اسی کشش ثقل کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ سب سے زیادہ حیران کر دینے والی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے، حالانکہ اسلام کے بارے میں یہ منفی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کا سخت مخالف ہے، ان کی آزادی کا دشمن ہے، ان کو گھروں میں مقید رکھنا چاہتا ہے، ان کو مردوں کے مساوی حقوق سے محروم رکھتا ہے، ان تمام پروپیگنڈوں کے باوجود مغرب میں عورتیں زیادہ تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں، امریکہ میں اگر چار افراد اسلام قبول کرتے ہیں تو ان میں تین خواتین ہوتی ہیں، یہی حال برطانیہ اور دوسرے یورپی یونین کے ملکوں کا ہے، ان میں بھی اسلام قبول کرنے والوں کی بیشتر تعداد خواتین پر مشتمل ہے۔

امریکہ کی مشہور ماہر نفسیات عالیہ ہیری جنہوں نے پندرہ سال پہلے اسلام قبول کیا تھا کہتی ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ اسلام کی روشنی مغرب میں پھیلے گی، ہمارے دور میں یہ بات سچ بن کر سامنے آرہی ہے، نومسلم خواتین کی روز افزوں تعداد اس پروپیگنڈے کی تردید ہے جس کی رو سے اسلام کی شبیہ ایک خاتون دشمن مذہب کی شکل میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔ why islam is aur only choice نامی کتاب میں جو اسلام قبول کرنے والوں کے خیالات پر مشتمل ہے کم از کم پچاس ایسی خواتین کے اعترافات جمع کیے گئے ہیں جنہوں نے محض اس لیے اسلام قبول کیا کہ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب ایسا نہیں ہے جس نے عورتوں کو اتنے حقوق دیئے ہوں، ایک انگریز نومسلم خاتون مس عائشہ کہتی ہیں ''اسلام ایک مکمل اور جامع ہندسی شکل ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کی تکمیل کرتا ہے، اور اس کا اصل حسن ان حصوں کی ہم آہنگی اور معنویت میں مضمر ہے آپ قریب ہوکر اس کی جزئیات کو دیکھیں تو یہ آپ کو سماجی زندگی کا ایک بے مثال رہ نما نظر آئے گا، کیونکہ اس کی بنیاد راست بازی اور سچے اخلاقی اصولوں پر قائم ہے'' وہ کہتی ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کچھ سہیلیوں سے تعداد ازدواج اور اسلام کی جانب سے مقررہ حدود پر بحث ہوئی اور میں نے اس ضمن میں مغربی تہذیب کے اصولوں سے اسلامی اصولوں کا موازنہ کیا تو وہ تمام اس بات سے متفق ہوگئیں کہ اسلامی حدود کی پابندی کے ساتھ تعدد ازدواج ہی زندگی کے مسائل کا بہترین حل ہے''۔

چند سال پہلے اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر برطانیہ کے زیر اہتمام ایک سروے کرایا گیا تھا اس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ جو لوگ اسلام کی دولت سے سرفراز ہو رہے ہیں ان میں زیادہ تر کی عمریں تیس سال سے پچاس سال ہیں یہ وہ عمر ہے جس میں انسان کی قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے ایسے لوگ جو فیصلہ کرتے ہیں اس پر اٹل رہتے ہیں، یہ وہ عمر ہوتی ہے جس میں آدمی ماں باپ کا دباؤ بھی قبول نہیں کرتا اور بچوں کے دباؤ سے بھی محفوظ رہتا ہے، بلکہ اکثر اوقات معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، اس عمر میں آدمی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا ہے، اس سروے سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت طلبہ کی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ایک عقلی مذہب ہے جو پڑھے لکھے لوگوں کو متاثر

کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلام نہ صرف یہ کہ متوسط طبقے کو اپیل کر رہا ہے بلکہ سیاسی، سماجی اور معاشرتی اعتبار سے ترقی یافتہ طبقہ بھی اس دولت سے محروم نہیں ہے، گذشتہ دنوں برطانوی وزیر اعظم کی نسبتی ہمشیرہ نے اسلام قبول کر کے سیاسی حلقوں میں تہلکہ مچادیا تھا، عراق کے لیے اسلحہ کمیٹی کے چیئر مین لارڈ جسٹس اسکاٹ کے بیٹے اور بیٹی بھی اسلام قبول کر چکے ہیں، مسلم آبادی میں اضافے کے باعث اب مغربی ممالک میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی بڑھ رہی ہے، ایوان نمائندگان میں بھی مسلمان لیڈر نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں، کعبے کو صنم خانے سے پاسبان ملنے والی بات مغربی ملکوں پر پوری طرح صادق آرہی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پیدائشی مسلمان مغربی ممالک کو صرف ارضِ کسبِ معاش نہ بنائیں بلکہ ارضِ دعوت بھی بنائیں، بلاشبہ انہیں ترقی کے مواقع حاصل ہو رہے ہیں، اگر وہ ان مواقع کو دعوت سے جوڑیں تو ان کی یہ ہجرت دین اور دنیا دونوں کے لیے باعث خیر ہوگی۔ اسلام کے حقیقی تعارف کے لیے خود مسلمان سب سے اچھا ذریعہ بن سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کا کردار و عمل مومنانہ اور ان کے اوصاف داعیانہ ہوں، مغرب میں اسلام کی روشنی پھیلے گی ضرور، کیونکہ وہاں لادینیت کی تاریکی اتنی گہری ہو چکی ہے کہ اب نئی صبح کا سورج ہی اس تاریکی کا خاتمہ کر سکتا ہے، کیا اچھا ہو کہ تارکین وطن اس روشنی کا سبب بن جائیں، اور ان کی دعوتی محنت سے مغرب کے آسمان پر اسلام کا سورج اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جائے۔ آمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دینی مدارس کا مزاج

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بطور خاص علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں حضرت قاری صاحبؒ کا مدارس عربیہ کے حوالے سے ایک فکر انگیز اور راہنما مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ادارہ)

صدیوں سے دینی مدارس قائم ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں دین کی جو بہاریں آج نظر آرہی ہیں وہ ان دینی مراکز کی برکات ہیں، حکومتی تعاون سے الگ تھلگ اپنے مزاج کے مطابق خاموشی سے اپنے کام میں یہ ادارے مگن ہیں۔

مدارس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز اب سے ایک سو چالیس سال قبل محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند اور پھر رجب ۱۲۸۳ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور سے ہوا، نشأۃ ثانیہ کے اس دور سے آج تک مدارس بڑے بحرانوں سے دوچار رہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے غیروں کی بے پناہ سازشوں کے باوجود اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہے، اربابِ مدارس اور علماء کرام کی مساعی اپنی جگہ اہم ہیں لیکن اصحاب خیر مسلمانوں کا تعاون بھی انتہائی قابل رشک ہے اسی لئے مدارس کبھی حکومتی تعاون کے دست نگر نہیں رہے، ارباب مدارس کے سامنے بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ آٹھ اصول ہیں جو آج بھی دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں حضرتؒ کے قلم سے محفوظ ہیں ان میں سے ایک اصول نمبر۸ یہ ہے کہ: ''اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی اس کی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر، کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا'' القصہ آمدنی اور تعمیر میں ایک قسم کی بے سروسامانی رہے۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۶)

دارالعلوم دیوبند کے بارے میں مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں لکھتے ہیں کہ: ''دارالعلوم دیوبند کی ابتداء نہایت معمولی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم اور بانیوں کے حسن نیت سے جلد

ہی اس نے ترقی شروع کردی'' آگے لکھتے ہیں کہ ''دیوبند کا قیام جنگ آزادی کے بیس پچیس سال بعد ہوا لیکن جلد ہی اس نے قوم کے تعلیمی نظام میں معزز جگہ حاصل کرلی اور آج قدیم طرز کی اسلامی درس گاہوں میں سب سے اس کی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بیج اچھا تھا اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا''۔

آگے لکھتے ہیں: ''دارالعلوم کو خوش قسمتی سے ایسے اساتذہ ملے جنھوں نے قوم کی نظروں میں اس کا وقار بڑھادیا مثلاً مولانا محمود الحسن محدث، مولانا انور شاہ محدث اور مولانا شبیر احمد عثانی یہ لوگ زہد وتقوی، راست گوئی، بے ریائی ور بے حرصی میں اسلاف کے بہترین علماء وصلحاء کا نمونہ تھے، خودغرضیوں اور کج بحثوں سے قطعاً پاک''۔

نتیجہ یہ کہ مخالف بھی ان کی عزت کرتے (موج کوثر ص ۲۰۶ تا ۲۰۹) ان کے علاوہ شیخ المحدثین حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ اور شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنیؒ قابل ذکر ہیں۔

دور حاضر کی عظیم شخصیت، علم وروحانیت کا حسین امتزاج، زندگی کا بیشتر حصہ درس وتدریس میں گذارنے والے، علماء وطلباء کے لیے قابل تقلید ہستی، تقریباً پون صدی مدارس کے نظام سے وابستہ یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی خودنوشت اور دلچسپ معلوماتی اور اکابر کے ذکر پر مشتمل ''آپ بیتی'' میں مدارس کے مزاج اور طلباء وعلماء کے لیے بڑی فکر انگیز معلومات مہیا فرمائی ہیں آج کل جبکہ سیکولر لابی اور مدارس دینیہ کے خلاف قوتیں اور طاقتیں ان اسلامی مراکز کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں علماء وطلباء کے لیے ان اکابر کے تجربات قابل توجہ ہیں (آپ بیتی ص ۳۵) میں ''طلباء کی تربیت اور اس کی اہمیت'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میرے اکابرؒ کے ہاں طلباء کے آداب پر خصوصی نگاہ رہتی تھی، اول تو اس زمانہ میں اکابر اور اساتذہ کا احترام طلباء کے اندر مرکوز تھا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی اس کا بہت احساس تھا ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ ''فلاں مدرسہ میں ایک وقت میں اکابر کی ایک ایسی جماعت تھی کہ ہر قسم کی خیر وبرکات موجود تھیں، ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، اس وقت تعمیر اتنی بڑی نہ تھی مگر ایک ایسی چیز اتنی بڑی تھی کہ مدرسہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا ہر چہار طرف بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے، اب سب کچھ ہے اور پہلے سے ہر چیز زائد ہے مگر وہ چیز نہیں جو اس وقت تھی گویا جسد بے روح نہیں'' مدرسہ میں انجمن قائم کرنے پر فرمایا: ''اب تعلیم وتربیت ختم، اور نہ اب استاد کا ادب رہا اور نہ مہتمم کا ادب رہا، نہ پیر کا ادب

رہا نہ باپ کا'' یہ نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرّب ہے کہ ''شاگرد استاد کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے اور والدین کی بے حرمتی کرنے والا روزی سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے''۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رئیس التبلیغ کے ملفوظات میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ نے طلباء کے متعلق تین اصول تفصیل سے لکھوائے، مرض الوفات میں جب ضعف انتہاء کو پہنچا ہوا تھا بات کرنے کی طاقت نہیں تھی بعد نماز فجر خاکسار کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ کان بالکل میرے لبوں سے لگا دو اور سنو! یہ طلباء اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں ان کی قدر اور اس نعمت کا شکر یہ یہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے مناسب پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ جائے، یہ بہت کم وقت لے کر آئے ہیں، پہلے میری دو تین باتیں ان کو پہنچادو، پہلی یہ کہ اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب و احترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے آپ کو ان کی تعظیم کرنی چاہئے جیسے کہ ائمہ دین کی کی جاتی ہے وہ آپ لوگوں کے لئے علم نبوی کے حصول کا ذریعہ ہیں علم دین کے اساتذہ کے حقوق کا معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے ان طلباء کو میرا ایک پیغام تو یہ پہنچاؤ کہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی اصلاح کی یہ خاص طور سے فکر کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''علم لا ینفع'' سے پناہ مانگی اور اس کے علاوہ بھی عالم بے عمل کے لیے جو سخت وعیدیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں وہ آپ کے علم میں ہیں دوسری بات یہ ان طلبہ سے یہ کہی جائے کہ ان کا وقت بڑا قیمتی ہے وہ بہت تھوڑا وقت لے کر آئے ہیں لہٰذا اس کا ایک لمحہ بھی یہاں ضائع نہ کریں آگے فرمایا یہ طے شدہ امر ہے اور عادت اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا الیاس دہلویؒ کے مقبول اور مستجاب ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کا تبلیغی کارنامہ آج پوری دنیا میں جاری وساری ہے ان کا یہ ملفوظ علماء وطلباء کے لئے فکر انگیز ہے، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ آگے فرماتے ہیں کہ میرا تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلبہ میں بھی جو طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں، اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں جس غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے اور جو اس زمانہ میں استادوں کے ساتھ نخوت وتکبر سے رہتے ہیں وہ بعد میں اپنی ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں ہی کراتے ہیں کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات آتی رہتی ہیں بہر حال جو علم بھی ہو اس کا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے چہ جائے کہ

ان کی مخالفت کرے (آپ بیتی ص ۶۲)

''تذکرۃ الرشید'' میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بارہا فرمایا کہ ''جب میں اور مولوی محمد قاسم دہلی میں استاد (مولانا مملوک علیؒ) سے پڑھتے تھے، منطق کی کتاب ''سلم العلوم'' شروع کرنے کا ارادہ ہوا۔ وقت میں کمی کی وجہ سے دوبار ہفتہ میں پڑھانے کا طے ہوا، ایک روز یہی سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آنکلے اور ان کو دیکھ کر حضرت مولوی صاحب مع تمام مجمع کے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ لو بھئی حاجی صاحب (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ) آگئے، حاجی صاحب آگئے اور حضرت مولانا نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا: لو بھئی رشید سبق پھر ہوگا مجھے سبق کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی قاسم صاحب سے کہا بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہے ہمارا سبق ہی گیا، مولوی قاسم صاحب نے کہا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ہیں، ایسے ہیں، حضرت حاجی صاحب ہمارا حال دریافت فرمایا کرتے اور یوں کہا کرتے تھے کہ سارے طالب علموں میں وہ دو طالب علم (مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ) ہوشیار معلوم ہوتے ہیں'' حضرت حاجی صاحب کی آمد پر مولانا مملوک علی صاحب کا اس عقیدت واحترام سے کھڑا ہونا دلیل ہے کہ بڑوں کی عزت کس طرح کی جاتی ہے۔

پہلے دور میں مدارس میں ہڑتالیں (Strike) وغیرہ ناپید تھیں بعد میں طلبہ کے مزاج میں آزادی، خود رائی، اساتذہ اور بڑوں کی بے ادبی کی فضاء پیدا ہونی شروع ہوئی تو یہ تحریکات بھی ظاہر ہونے لگیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ''آپ بیتی'' میں ۱۳۸۴ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ناکام اسٹرائیک پر تفصیلی بحث فرمائی ہے اور اس کے عبرت ناک اور حیرت ناک نتائج کا ذکر فرمایا ہے جو اس دور کے طلبہ کے لئے انتہائی قابل توجہ ہے۔

حضرت فرماتے ہیں: ''اس ناکارہ نے اپنی زندگی میں تکبر اور گھمنڈ کے بہت ہی نقصانات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چھوٹوں اور نادانوں کی زبان کی بدولت بڑے بڑے اکابر کو پریشانیوں میں مبتلا دیکھا۔ مدرسہ مظاہر العلوم کی ۱۳۸۴ھ کی ناکام اسٹرائیک اسی عجب وپندار کے ثمرات کا نتیجہ تھا، مدارس میں طلبہ کا اخراج ہوتا ہی رہتا ہے لیکن اس عُجب کی نحوست نے ایک معمولی طالب علم کے اخراج کو اسٹرائیک تک پہنچادیا، میرے نزدیک تو اس ہنگامہ کی بنیاد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا سایہ سرپرستی سے اٹھنا تھا ۱۳۸۲ھ میں حضرت کا وصال لاہور میں ہوا میرا تجربہ یہ ہے کہ مدرسہ کے ممبران میں اہل اللہ

ضروری ہونے چاہئیں، ایک طالب علم جس کی بہت سی شکایتیں مدرسہ مظاہر علوم کی شاخ مدرسہ خلیلیہ کے ناظم کے پاس پہنچ رہی تھیں، سینمابینی، انگریزی بال، اساتذہ کا عدم احترام، نماز کی عدم پابندی، مدرسہ کے اہل شوریٰ کے مشورہ سے اس کا اخراج کیا گیا، اس طالب علم نے لیبر یونین کے ایک غیر مسلم لیڈر کے مشورہ سے رات تقریر کی کہ میرا اخراج تم سب کے اتفاق سے رک سکتا ہے، میں نے ناظم صاحب کو کہا کہ اس ہنگامہ کی خبر لے مگر ان کو اپنی نظامت پر اتنا گھمنڈ تھا کہ انہوں نے مجھے اطمینان دلایا کہ فکر کی کوئی بات نہیں، چند دن بعد معلوم ہوا کہ طلباء نے اندر سے دروازہ بند کرکے ایک درخواست ناظم صاحب کے پاس بھیجی، جس میں بہت سے لغو مطالبات کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا کہ فلاں طالب علم کا اخراج ملتوی کیا جائے، مدرسہ کے سب اکابر، ناظم صاحب، مولانا اسعد اللہ صاحب، مولانا امیر احمد صاحب، صدر مدرس وغیرہ نے بارہا سمجھایا، مگر وہ نہ مانے اس ہنگامہ میں (مرکزی) مدرسہ مظاہر علوم کے طلبہ نے بھی عصبیت جاہلیہ میں ان کا ساتھ دینے کا تہیہ کیا، فوراً ایک جمعیۃ الطلبہ قائم ہوئی، صدر اور ناظم متعین ہوکر حلف اٹھا لئے گئے کہ جب تک شاخ والوں کے مطالبات پورے نہ ہوں مدرسہ میں بھی اسٹرائیک کی جائے، مدرسہ کی مجلس شوریٰ میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو میں نے بڑے زور سے کہا اس میں دورۂ حدیث کا کوئی طالب علم شریک نہیں، مدرسہ کے نائب ناظم تعلیمات مولانا عبدالمجید صاحب نے دبی زبان سے کہا کہ دورہ والے بھی اس میں ہیں، میرے گھمنڈ کا مبنیٰ یہ تھا کہ ۱۳۴۰ھ سے حدیث کے سبق میں طلبہ کو ہر سال ان کا مقام وحیثیت بتاتا اور یہ کہ تم عنقریب مقتدائے قوم بننے والے ہو مجھے پختہ یقین تھا کہ اس سال دورۂ حدیث والوں کی اکثریت جنید وشبلی بنیں گے، مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب تحقیق سے معلوم ہوا کہ دورۂ حدیث کی پوری جماعت اس میں پیش پیش ہے اور زیادہ قلق اس سے ہوا کہ مجھ سے اور دیگر اساتذہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے طلبہ در پردہ شریک رہے، دورہ کی اس جماعت کے حالات پر جو قلبی چوٹ لگی وہ آج دس برس تک بھی فراموش نہیں ہوئی، اس دوران ان طلبہ نے اپنے اساتذہ کی خوب بے عزتی کی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ مظاہر علوم تشریف لائے اور تبلیغی جماعتوں کو مسجد میں مستقل ٹھہرادیا جو ذکر وتلاوت اور دعاؤں میں مصروف رہتے مختلف صوبوں اور علاقوں کی جماعتیں آتیں اور اپنے اپنے صوبہ اور علاقے کے طلبہ کو سمجھاتے، آخر میں افریقہ کے الحاج ابراہیم اسحاق آئے، انہوں نے طلبہ کے اس گروہ کے صدر صاحب سے گفتگو کی، پہلے انہوں نے اسٹرائیک کی وجوہ بیان کیں، حاجی صاحب نے پوچھا کہ آپ لوگ مدرسہ میں کتنی فیس داخل کراتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے مدارس میں فیس نہیں ہوا کرتی۔

س: آپ لوگ فارغ ہوکر مدرسہ کی کیا خدمت کرتے ہو؟ ج: کوئی متعین نہیں۔
س: آپ لوگ کھانے کا اپنے خود انتظام کرتے ہو؟ ج: ہمارا کھانا مدرسہ کی طرف سے مفت ملتا ہے۔
حاجی صاحب نے کہا کہ جب سب کچھ مدرسہ آپ کو مفت دیتا ہے تو پھر اسٹرائیک کیوں کر رہے ہو اس دوران مدرسہ کے منتظمین کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی بھی زبردست سازشیں کی گئیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناکام ہوئیں۔''

ایک اور موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ مدارس میں طلبہ تنظیموں کے وجود کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ناکارہ مدارس عربیہ میں جمعیۃ الطلبہ کا انتہائی مخالف ہے، اس کی قباحت تو طالب علمی کے زمانہ ہی سے میرے دل میں پڑی ہوئی ہے مگر دن بدن تجربات نے مجھ کو تو اس سے اس قدر متنفر بنادیا ہے کہ اس کے نام سے نفرت، اس کے شرکاء سے طبیعت میں انقباض ہوتا ہے اس ناکارہ کا اپنے اکابر کے ساتھ ایک معمول ہمیشہ رہا ہے کہ یہ ناکارہ صحابہ کرامؓ کی طرح کہ وہ ہر فعل کو یوں فرماتے تھے، کیف افعل ما لم یفعله رسول اللّٰه صلى اللّٰه علیه و سلم ،یعنی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں اور علامہ منذری نے ترغیب وترھیب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے''البرکة مع اکابرکم'' (ترغیب:۱/۴۳) کہ برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہوتی ہے میرے اکابر جو حقیقی معنی میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارثین ونائبین ہیں اور ان کے اقوال وافعال کو میں نے سنت کے بہت ہی زیادہ موافق پایا ہے اور اس کے خلاف میں ہمیشہ نقصان ہی پایا ہے ان سب اکابر کو بھی میں نے ہمیشہ طلبہ تنظیموں کے مخالف ہی پایا، ان تنظیمات سے وابستہ طلبہ میں اکابر کی بے حرمتی ،اکابر مدرسہ اور اساتذہ کرام کی حکم عدولی ،توہین وغیرہ کے مناظر گزرے جب سے تو اس سے بہت ہی نفرت بڑھ گئی، ان طلباء میں اکابر کا احترام تو بالکل ہی نہیں رہتا ،علوم سے مناسبت بھی قائم نہیں رہتی، اچھی تقریر تو مشق سے پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ اپنے آپ کو عالم فاضل سمجھنے لگتے ہیں اور اساتذہ پر تنقید شروع کردیتے ہیں جس سے عمل سے محرومی طے شدہ ہے۔

ان واقعات کو مدنظر ہوئے ہمیں سوچنا چاہئے کہ وفاق المدارس کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی ہے، اس سلسلۃ الذہب میں مدارس باہم منسلک ہیں، لیکن خطرہ ہے کہ گھمنڈ کی وجہ سے اس کو نظر نہ لگ جائے ،اس لئے تعداد کی کثرت کو بیان کرنے کی بجائے اس کی کارکردگی اور تعلیمی معیار کی طرف توجہ دی جائے ، مدارس کے طلبہ میں بڑوں کا ادب واحترام علمی صلاحیت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو

آج کے دور میں مضمحل بلکہ مفقود ہوتا جارہا ہے، ہندوستان کے بزرگ عالم دین مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ نے ''آداب المتعلمین'' میں اپنے استاد کا واقعہ لکھا ہے کہ ''حضرت استاذی مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحبؒ محدث وصدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور (راقم کے والد محترمؒ) نے اپنا ایک واقعہ سنایا تھا کہ میں اپنے وطن سے جب سہارنپور پڑھنے کے لئے آیا تو ہر استاد سے مل کر آیا تھا، ایک استاد جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے ملاقات نہ ہوسکی جب سہارنپور آکر پڑھنا شروع کیا تو کتاب بالکل سمجھ میں نہ آئے حالانکہ میں اپنی جماعت میں بہت سمجھدار سمجھا جاتا تھا اس کے اسباب پر غور کیا، اللہ پاک نے رہنمائی فرمائی اور ان استاد کی خدمت میں خط لکھ کر معافی مانگی اور ملاقات نہ ہوسکنے کی وجہ لکھی، انہوں نے جواب میں فرمایا: میرے دل میں خیال ہوا تھا کہ مجھے چھوٹا سمجھ کر شاید تم نہیں ملے، لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی، اس کے بعد دعائیہ الفاظ لکھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اساتذہ کے احترام ہی کا نتیجہ ہے کہ تمہارے سامنے ترمذی پڑھا رہا ہوں، درس کا یہ عالم تھا کہ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ ان سے بہتر اس وقت ترمذی پڑھانے والا برصغیر میں کوئی نہیں۔ (آداب المتعلمین: ص ۳۱)

اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۶ پر ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی ٹوپی جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنایت فرمائی، میں نے وہ ٹوپی پانی میں بھگوئی، صبح وہ پانی پی گیا، اس پانی کی برکت سے دماغ ایسا روشن اور ذہن ایسا تیز ہوگیا کہ کوئی مشکل کتاب مشکل نہ رہی، اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کی اسکیمیں کرنے والے طلبہ اس پر غور کریں کہ استاذ کی عظمت کرنے والوں نے کیا دولت حاصل کی اور پھر انہوں نے دنیا کو کیسا فیض پہونچایا۔

ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر علماء وطلباء کو یہ چیز مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ لادین طبقہ ہماری صفوں میں اختلافات برپا کرکے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے درپے ہے، کفر کو بھی اگر اس وقت خطرہ ہے تو دینی مدارس سے ہے کہ یہ دین کو اصلی حالت میں باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں۔

سیموئیل ہنٹنگٹن (Samuel Huntington) جو تہذیبی تصادم کتاب کا مصنف ہے اپنی کتاب ''ہم کون ہیں؟'' (Who are we?) میں کہتا ہے کہ ہمارا دشمن اسلام ہے اور خطرہ صرف

اسلام سے ہے اس میں اس نے کہا کہ اسلام کی طاقت کا منبع (Power House) اسلامی مدارس ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کو بند کردیا جائے یا ان کے نصاب کو جدیدیت اور مغربیت سے ہم آہنگ کردیا جائے۔ (نوائے وقت کالم، کے ایم، اعظم) 12 جولائی 2006ء)

ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ مدارس اسلام کے آخری مورچہ ہیں ان کا ختم ہونا پورے تمدن کا سقوط ہے، کفر جن خطرناک منصوبوں کے ساتھ مدارس کو ختم کرنے اور کمزور کرنے پر لگا ہوا ہے وہ ہم سب کے لئے قابل غور ہیں، انہی منصوبوں میں مدارس کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا اور مدارس سے وابستہ حضرات کے درمیان خلیج پیدا کرنا ان کا اہم مقصد ہے، ان سب سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مدارس کے نظام کو اکابر کے نقش قدم پر چلانا ہماری زندگی کا اہم مشن ہونا چاہئے تاکہ اسلام کے یہ قلعے مزید مستحکم ومضبوط ہوسکیں۔

☆☆☆

میراث تقسیم کرنا فرض ہے

(ترجمۂ آیت) مردوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصّہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے جس کو (اُن مردوں کے) ماں باپ اور (یا+ دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، اور (اسی طرح) عورتوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصّہ (مقرر) ہے اُس چیز میں سے جس کو عورتوں کے ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرتے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ چھوڑی ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے حصّہ ملیگا) حصّہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔ (سورۃ النساء)

تشریح

آج یتیموں، بیواؤں اور خواتین پر ظلم وستم معاشرہ میں جاری ہے کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد بالغ اور طاقت ور اولاد باپ کے تمام مال و جائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے۔ نابالغ لڑکے محروم رہ جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا تو کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس ظلم کو دور کیا، نابالغ یتیم بچوں اور خواتین خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کو وارث قرار دیا اور ان کے حصّے مقرر کئے اور ان کا حق ادا کرنا فرض قرار دیا۔ اور عام مسلمانوں کو خطاب عام کر کے حکم دیا کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد اور ورثاء کو پورا پورا پہنچایا جائے اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کیا جائے جس سے اس کی اولاد اور دیگر ورثاء کو حصّہ نہ پہنچنا تو درکنار، نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ نہ رہے

ایک بندۂ خدا

نقوشِ رفتگاں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ

۱۴۳۲ھ کے پہلے دن یکم محرم الحرام کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات برصغیر کے مسلمانوں اور اہلِ علم کے لیے ایک بڑا صدمہ بن کر آیا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ اُس قرن کی یادگار تھے جس نے براہِ راست اکابر علماء دیوبند سے فیض حاصل کیا تھا، اوران کی علمی، عملی اور روحانی خصوصیات کو اپنے اندر جذب فرمایا تھا، وہ شہر بجنور کے ایک رئیس گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ اُن کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بجنور کے معروف زمیندار تھے، اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ان کے صاحبزادے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اور ۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے ، اور بعد میں حضرت شیخ الہندؒ کے معروف شاگرد حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب قدس سرہ سے فتویٰ کی تربیت بھی حاصل کی، اوراپنے علاقے میں دینی خدمات انجام دیتے رہے، جس پر انہوں نے کبھی کوئی مالی معاوضہ نہیں لیا۔ بعد میں (۱۹۶۲ء میں) آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کا رکن بنایا گیا، اوراس حیثیت میں بھی وہ جو خدمت انجام دیتے، اس کے لیے سفرخرچ بھی خود ہی برداشت کرتے ، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم کی چائے بھی پیتے تو اس کی قیمت مدرسہ کو ادا کرتے تھے۔

دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے بعد وہ دارالعلوم مساعد مہتمم مقرر ہوئے اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم کی تقسیم کے انتہائی ناخوشگوار سانحے کے بعد نہایت نازک حالات میں انہوں نے دارالعلوم کے اہتمام کا

منصب سنبھالا، اور اس کے بعد تیس سال تک اس حیثیت میں اس مرکزِ علم و عرفان کی خدمت انجام دی۔ اور اس کے لیے نہ صرف یہ کوئی تنخواہ نہیں لی، بلکہ دارالعلوم میں اپنے رہائشی کمرے کا کرایہ بھی پابندی سے ادا کرتے رہے، اور اپنی جائیداد کا ایک حصہ فروخت کر کے دارالعلوم پر خرچ کیا۔ جن حالات میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی انتظامی سربراہی قبول فرمائی تھی، وہ بہت نازک تھے لیکن انہوں نے اپنے اخلاص، تحمل اور اعتدالِ فکر و عمل کے ذریعہ مشکل حالات پر قابو پا کر مدرسہ کی ظاہری و باطنی ترقی کے لیے ہمہ جہتی کوششیں فرمائیں۔

مجھ ناچیز پر بھی حضرت مولاناؒ کی شفقتیں ناقابل فراموش ہیں، میں آج سے تقریباً بائیس سال پہلے جب دیوبند گیا تو حضرتؒ سے پہلی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اور ان کے سراپا میں اکابر علماء دیوبند کی اداؤں کی جو جھلک نظر آئی، اس کی بنا پر یہ مختصر ملاقات بھی میری بڑی خوش نصیبی تھی، لیکن حضرتؒ نے میرے استحقاق سے کہیں زیادہ اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا۔

اس کے بعد متعدد مرتبہ حضرتؒ سے مراسلت کا بھی شرف حاصل ہوا، اور انہوں نے ہر بار مجھ ناچیز کی فرمائشوں کی پذیرائی فرمائی اور ان مراسلات میں اُن کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہم اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ کا مجموعہ شائع کرنا چاہتے تھے، چونکہ حضرت والد ماجد قدس سرہ کے فتاوی کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے جاری ہوا جب آپ وہاں کے صدر مفتی تھے۔ اس لیے وہ دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے رجسٹروں ہی میں محفوظ تھا، چنانچہ میں نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھ کر فرمائش کی کہ ان رجسٹروں سے حضرت والد ماجد قدس سرہ کے فتاوی کی نقول حاصل کرنے کا انتظام فرما دیا جائے۔ حضرت مولاناؒ نے بخوشی اس بات کی اجازت دی، اور پھر میرے برادر عم زاد حضرت مولانا خورشید عالم صاحب مدظلہم اور میرے رشتے کے بھتیجے مولانا خورشید حسن صاحب سلمہ کے تعاون سے بفضلہ تعالیٰ فتاوی کا یہ ذخیرہ ہم تک پہنچ گیا، اور اب وہ میرے برادر بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی نگرانی میں مرتب ہو رہا ہے، اور ان شاء اللہ ادارۃ المعارف سے شائع ہوگا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن قدس سرہ کافی عرصہ سے علیل چلے آرہے تھے، اور دارالعلوم دیوبند کے اپنے کمرے میں صاحب فراش تھے، اسی دوران رجب کے مہینے میں میرا ہندوستان کا سفر ہوا۔ حضرتؒ کو اطلاع ہوئی تو مدراس کے قیام کے دوران ان کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں دارالعلوم دیوبند حاضری کی دعوت بڑی محبت کے ساتھ دی گئی تھی، وہاں حاضری دینا پہلے ہی سے میرے سفرِ ہند کا ایک اہم مقصد تھا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ حاضری ہوئی جس کی مفصل روداد میں اپنے سفر نامے میں لکھ چکا ہوں، اس موقع پر بھی حضرتؒ دارالعلوم ہی کے ایک کمرے میں صاحبِ فراش تھے، وہیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اُس وقت حضرتؒ کو بات کرنے میں بھی تکلف تھا، لیکن انہوں نے بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا، اور بتایا کہ میں نے علمِ ہیئت کی مشہور کتاب ''التصریح'' آپ کے والد ماجد (یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) سے پڑھی ہے۔

حضرت مولاناؒ کو اُس وقت جس حالت میں دیکھا، اُس سے اندازہ ہورہا تھا کہ یہ چراغ سحری اب کسی بھی وقت داغِ مفارقت دے سکتا ہے چنانچہ ماہ محرم ۱۴۳۲ھ کے آغاز ہی میں یہ اندوہناک خبر مل گئی کہ وہ ہم سے جدا ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اللّٰھم اکرم نزلہ ووسّع مدخلہ وأبدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ ونقّہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے دامنِ رحمت میں لے کر درجاتِ عالیہ عطا فرمائیں۔ اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

محمد حسان اشرف عثمانی

آپ کا سوال

قارئین صرف ایسے سوالات ارسال فرمائیں جو عام دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہو، مشہور اور اختلافی مسائل سے گریز فرمائیں............................ (ادارہ)

سوال:۔ میرا مچھلی کا کاروبار ہے، جب سے میں نے سنا ہے کہ جھینگا مچھلی کھانا حرام ہے، تو میں بہت پریشان ہوگیا ہوں، کیونکہ میں خود بھی جھینگا فروخت کرتا ہوں، جب کھانا حرام ہوگا، تو لازمی طور پر اس کو فروخت کرنا بھی حرام ہوگا، میں نے بہت علماء سے اس بارے میں سوال کیا۔ کوئی جواب دیتا ہے کہ بہت سے معاملات شریعت میں عرف وعادت وتعامل کی وجہ سے بہت آسانی دی ہے، تو جھینگا بھی ان میں سے ایک ہے اور حرمت کی تصریح ادلہ اربع میں کہیں نہیں اس کی وجہ سے اس کو حرام کہنا جائز نہیں اور دلیل میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں (اعلاء السنن ج:۱۷ص۱۸۹) اور جو حرام کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، اس کی شکل وصورت عام مچھلی سے بالکل مختلف ہے، لہٰذا اس کا شمار مچھلی میں نہیں ہوگا۔ بلکہ کیڑوں میں ہوگا، اور دلیل میں فتاوی رشیدیہ، کفایۃ المفتی، احسن الفتاوی اور دیگر کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔ میں نے امداد الفتاوی میں بھی دیکھا انہوں نے بھی جھینگے کے حلال ہونے کا فتوی دیا ہے۔

جواب:۔ جھینگے کے بارے میں اس زمانے کے علماء کا کچھ اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک اس کا کھانا مکروہ ہے، اور اکثر علماء کے نزدیک یہ مچھلی کی ایک قسم ہے اور اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اس کے کھانے سے بچ سکتا ہے تو بچنا بہتر ہے، تاہم چونکہ عرفاً اسے مچھلی ہی کی ایک قسم سمجھا جاتا ہے اس لیے کھانے کی بھی گنجائش ہے، اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔

سوال:۔ میت کو دفن کرنے کے قبر کے سرہانے اور پیروں کی جانب اول وآخر سورۂ بقرہ پڑھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ۔میت کی تدفین کے بعد قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ''هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تک اور پائینتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات ''آمَنَ الرَّسُوْلُ'' سے ختم سورت تک پڑھنا مستحب ہے۔ (احکامِ میت ص:۹۲) اور مستحب عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے چھوڑنے کے لیے نہیں ہوتا، لہٰذا مستحب کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاسکتا ہے، لیکن اسے فرض وواجب کا درجہ دینا درست نہیں، اس لیے اگر فرض وواجب کا خطرہ ہو تو کبھی چھوڑ دینے میں بھی حرج نہیں۔

سوال: ۔میت کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: ۔میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا فی نفسہ جائز ہے اور ایک حدیث شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ اس طرح دعا کرنا ثابت ہے، لہٰذا ہر کوئی اپنی اپنی دُعا مانگ سکتا ہے۔ البتہ اجتماعی طور پر مخصوص طریقہ کے ساتھ دعا کرنا احادیثِ شریفہ اور خیر القرون سے ثابت نہیں، اسی لیے اس کا معمول بنانا بھی سلف سے منقول نہیں، لہٰذا دفن کے بعد اجتماعی دعا سے بچنا چاہئے۔

سوال: ۔میرے شوہر ۸/دسمبر کو رائے ونڈ کے اجتماع میں گئے وہاں سے فون کر کے کہا کہ میں تبلیغ پر چار ماہ کے لیے جارہا ہوں۔ میں نے بہت منع کیا لیکن انہوں نے کہا میں تبلیغ میں چار ماہ لگاؤں گا۔

ان کے جانے کے بعد میں بہت پریشان ہوں۔ میرا بیٹا کہنا نہیں مانتا، وہ مدرسے نہیں جاتا، دراصل وہ اپنے والد سے ڈرتا تھا، اس کے علاوہ گھر کے باہر کے بہت سے کام جو گھر کا سرپرست کرسکتا ہے، ان کی وجہ سے بھی دشواری ہورہی ہے۔

آپ بتائیں کہ تبلیغ میں جانے کے لیے بیوی کی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟ شوہر کیا بیوی کی مرضی کے بغیر تبلیغ میں جاسکتا ہے، کہ وہاں جا کر گھر کو بھول جائے اور کسی طرح کا کوئی رابطہ نہ رکھے؟

جواب: ۔بیوی بچوں کی مناسب نگہداشت اور اُن کے نان ونفقہ کا انتظام کرتے ہوئے شوہر چار ماہ تک بیوی کی اجازت کے بغیر بھی تبلیغ میں جاسکتا ہے، البتہ چار ماہ سے زائد عرصہ کے لیے شوہر کا بیوی کو راضی کیے بغیر جانا شرعاً درست نہیں۔

مسئولہ صورت میں شوہر کو چاہئے کہ بیوی بچوں کی مناسب نگہداشت کا انتظام کر کے تبلیغ کا کام

انجام دے، تبلیغی کام کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق کی طرف توجہ نہ دینا درست نہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

سوال:۔ میں سنی ہوں اور سنی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، مگر میرے گھر والے اہلِ تشیع ہیں میں بھی شیعہ تھا مگر چار سال سے سنی ہو گیا ہوں اور یہ بات میں نے گھر والوں کو بھی بتادی ہے اور اُن کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے میں سنی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اب مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی کے گھر والے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا میں شادی کے بعد ماں باپ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے کھانا پینا رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب:۔ اگر واقعۃً آپ نے شیعہ مذہب کے عقائد سے توبہ کر کے اہلِ سنت والجماعت کے عقائد اختیار کر لیے ہیں تو پھر سنّی لڑکی کے اولیاء کی رضامندی سے باقاعدہ ایجاب وقبول کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر سکتے ہیں، اور اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کر سکتے ہیں، اور اُن کے ساتھ رہائش اختیار کرنے میں اگر یہ خطرہ نہ ہو کہ وہ آپ کو شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کریں گے تو آپ ان کے ساتھ رہائش اور کھانا پینا رکھ سکتے ہیں۔

سوال:۔ ثناء نوشاد نے اپنے شوہر سے خلع لے لی ہے۔ اس کی ایک بچی ہے جس کی عمر سوا سال ہے۔ اس کا سابقہ شوہر شاہد جس کی ماہانہ آمدنی مبلغ آٹھ ہزار روپے ہے، وہ بچی کا ماہانہ خرچ مبلغ دو ہزار روپے دینے پر تیار ہے، جبکہ بچی کی ماں کا کہنا ہے کہ بچی جو دودھ پیتی ہے اس کی ماہانہ رقم دو ہزار چار سو روپے ہے بچی کے پیمپر ماہانہ تقریباً دو ہزار روپے اور بچی کی دوائیں اور دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔

جبکہ شاہد کا کہنا ہے کہ میری انکم آٹھ ہزار روپے ہے جس میں، میں نے اپنی ماں کا علاج بھی کروانا ہوتا ہے اور گھر کے اخراجات کے لیے رقم دینی ہوتی ہے۔ برائے مہربانی شریعت کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔

جواب:۔ والد کے ذمہ اولاد کے خرچہ کی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے بلکہ بچوں کا نان ونفقہ والد پر اس کی حیثیت کے مطابق واجب ہے، اس صورت میں اگر بچی کے لیے دو ہزار روپے ماہانہ خرچ کم ہو رہا ہو

تو فریقین محلّہ کے کسی معزز فرد کے ذریعہ خرچہ کی کوئی مقدار طے کرسکتے ہیں۔

سوال:۔ایک آدمی نے ولیمہ کے لیے گائے خریدی ہے اور اسی گائے میں وہ عقیقہ کے ایک یا دو حصوں کی نیت بھی کرلیتا ہے تو کیا عقیقہ کے معیّنہ حصے اور بقیہ گوشت ملا کر دعوتِ ولیمہ میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا عقیقہ کے حصوں کو الگ کرکے تقسیم کرنا ضروری ہے، جو صرف فقراء میں ہی تقسیم ہوں؟

جواب:۔ ولیمہ کے لیے خریدی ہوئی گائے میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے اور عقیقہ کا گوشت ولیمہ کی تقریب میں استعمال کرسکتے ہیں، اور اہلِ خانہ سمیت سب لوگ اس میں سے کھاسکتے ہیں، البتہ اس دعوت میں غرباء کو بھی شامل کرلینا بہتر ہے۔

سوال:۔ ہماری ایک عزیزہ کے والد کا انتقال ہوگیا، اب ان عزیزہ نے والد کی تمام عمر کی نمازیں پڑھنا شروع کردی ہیں ان سے پوچھا گیا کہ وہ ایسا کیوں کررہی ہیں تو انہوں نے بتلایا کہ ان کے والد کو عربی پڑھنی نہیں آتی تھی، اس لیے وہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، نہ قرآن، روزہ بھی نماز وتراویح کے بغیر رکھتے تھے۔

برائے کرم قرآن وسنت کی روشنی میں بتلائیں کہ ہماری ان عزیزہ کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ والد مرحوم کو آخرت کے وبال سے کیسے چھٹکارا دلایا جاسکتا ہے؟

جواب:۔کسی شخص کی طرف سے اُس کی زندگی میں قضاء ہونے والی نمازیں پڑھنا مرحوم کی چھوڑی ہوئی نمازوں کے لیے کافی نہیں، اس طرح میت کی چھوڑی ہوئی نمازوں کا تدارک نہیں ہوگا، اور میت کی نمازوں کے تدارک کے لیے ادائیگی کا یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، حدیث شریف میں صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نفل نماز، نفل روزہ وغیرہ کے ذریعہ مرحوم کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

البتہ اگر مرحوم نے یہ وصیّت کی ہو کہ میرے قضاء نمازوں کا فدیہ ترکہ سے ادا کیا جائے تو ورثاء پر اس وصیت پر عمل کرنا لازم ہے بشرطیکہ یہ وصیّت ترکہ کے ایک تہائی کی حد تک ہو، ایک تہائی سے زائد میں ورثاء کو اختیار ہوگا چاہے نافذ کریں چاہے نافذ نہ کریں، اور اگر مرحوم نے وصیّت نہ کی ہو تو ترکہ سے نمازوں کا فدیہ ادا کرنا جائز نہیں، البتہ اگر عاقل بالغ ورثاء اپنی خوشی سے یا کوئی وارث اپنی ذاتی رقم سے اپنے طور پر

فدیہ ادا کرنا چاہے تو یہ جائز ہے، اور فدیہ ادا کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ ایک نماز کا فدیہ پونے دو کلو خالص گندم یا اُس کی قیمت ہے، اور ایک دن میں وتر سمیت چھ نمازوں کا حساب کیا جائے، یہی حکم روزوں کا بھی ہے، اگر رمضان المبارک کے روزے مرحوم کے ذمہ باقی ہوں تو وصیت کرنے کی صورت میں اوپر حکم ذکر کر دیا گیا ہے اور اگر فدیہ کی وصیت نہ کی ہو تو ترکہ سے روزوں کا فدیہ ادا کرنا جائز نہیں، البتہ اگر عاقل بالغ ورثاء اپنی خوشی سے یا کوئی وارث اپنی ذاتی رقم سے اپنے طور پر فدیہ ادا کرنا چاہے تو یہ جائز ہے، ایک روزے کا فدیہ صدقہ فطر کے برابر ہے۔

☆☆☆

مولانا محمد راحت علی ہاشمی صاحب

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شب و روز

سفر بحرین: ۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ: (۲۸؍نومبر ۲۰۱۰ء) نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم آج بحرین تشریف لے گئے جہاں آپ نے ۲۱، سے ۲۳؍ذی الحجہ تک ''المجلس الشرعی'' کے اجلاس کی صدارت فرمائی اور ۲۴/۲۵؍ذی الحجہ کو ''هيئات الرقابة الشرعية'' کی سالانہ کانفرنس میں شرکت فرمائی۔

سفر حرمین: ۱۵؍صفر ۱۴۳۲ھ (۲۰؍جنوری ۲۰۱۱ء): نائب الرئیس الجامعہ مدظلہم آج زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور چار روزہ قیام کے بعد عمرے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور وہاں پانچ روز مقیم رہے۔ اور اس دوران ۲۵؍صفر ۱۴۳۲ھ کو ''المؤسسة الاسلامية لتنمية القطاع الخاص'' کی ''هيئة الرقابة الشرعية'' کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور ۲۶؍صفر ۱۴۳۲ھ کو آپ اپنے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی زید مجدہ کے ہمراہ بخیر و عافیت کراچی واپس تشریف لے آئے۔

سفر حرمین سے واپسی: ۲۹؍صفر ۱۴۳۲ھ: آج رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور آپ کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محمد زبیر اشرف عثمانی صاحب زید مجدہم حرمین شریفین کے سفر سے بخیریت واپس کراچی تشریف لے آئے۔

سفر لاہور: ا؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۵؍فروری ۲۰۱۱ء): بروز ہفتہ رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم لاہور تشریف لے گئے۔ اگلے روز اتوار ۲؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ کو حضرت والا جامعہ عبداللہ بن عمر تشریف لے گئے اور وہاں بعد نماز عصر علماء، طلباء اور عامۃ الناس کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور بعد نماز مغرب علماء اور تاجر برادری کی ایک خصوصی نشست سے بھی خطاب فرمایا۔

۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۷؍فروری ۲۰۱۱ء): بروز پیر حضرت والا مدظلہم جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے لئے تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب اساتذہ کرام اور طلباء سے خطاب فرمایا نیز اساتذہ کرام اور دورہ حدیث کے طلباء کی فرمائش پر انہیں اپنی

اسانید سے روایتِ حدیث کی اجازت بھی عنایت فرمائی۔

سفرِ سرگودھا: ۴؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۸؍فروری ۲۰۱۱ء): منگل کے روز حضرت لاہور سے سرگودھا تشریف لے گئے، بعد نمازِ عصر حضرت مدظلہم نے علماء اور مختلف شعبہائے حیات سے تعلق رکھنے والے حضرات سے ایک خصوصی نشست میں تبادلۂ خیال فرمایا اوران کے مختلف سوالات کے جوابات دیئے۔ بعد نمازمغرب جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے سالانہ تبلیغی واصلاحی اجتماع میں شرکت فرمائی اور دورہ حدیث اور مشکوۃ کے طلبہ کو بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کا درس دیا اور اجازت حدیث عنایت فرمائی، کامل الحفظ طلبہ کی دستار بندی فرمائی، اسناد تقسیم کیں اور مجمع عام سے تفصیلی خطاب فرمایا۔

۵؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۸؍فروری ۲۰۱۱ء): بدھ کے دن حضرت نے فجر کی نماز سرگودھا شہر میں جامع مسجد علی المرتضی میں پڑھائی اور نماز کے بعد شہریوں سے تفصیلی خطاب فرمایا۔ بعد نماز عصر حضرت والا سرگودھا سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔

تقریب نکاح: ۷؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۱۰؍فروری ۲۰۱۱ء): بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر حضرت والا دامت برکاتہم نے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد ابوبکر صدیق میں حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہم کے صاحبزادے مولانا سجاد اشرف عثمانی کی تقریب نکاح میں شرکت فرمائی اوران کا نکاح پڑھایا۔

اس کے علاوہ بھی حضرت والا مدظلہم نے لاہور میں کئی اہم مجالس میں شرکت فرمائی اور بروز پیر ۱۰؍ربیع الاوّل کو لاہور سے بخیر وعافیت کراچی تشریف لے آئے۔

سفر اسلام آباد ومظفر آباد: ۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۱۹فروری ۲۰۱۱ء): ہفتہ کے روز شام کو حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کراچی سے اسلام آباد تشریف لے گئے، اور وہاں انٹرنیشنل کشمیر کانفرنس کے مندوبین کیساتھ ملاقات فرمائی اور خُبیب فاؤنڈیشن کی طرف سے دیئے گئے عشائیہ میں شرکت فرمائی۔

۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۲۰؍فروری ۲۰۱۱ء): بروز اتوار صبح سویرے ٦ بجے آپ اسلام آباد سے مظفر آباد تشریف لے گئے، یہاں خبیب فاؤنڈیشن کے زیر انتظام ''انٹرنیشنل کشمیر کانفرنس'' منعقد ہوئی، جس میں آزاد کشمیر کے صدر اور وزیر اعظم نے بھی اہم خطاب کیا، اس کانفرنس کا موضوع تھا: ''کشمیر میں اسلامی ممالک کی این جی اوز کی انسانیت کی بنیاد پر خدمات'' حضرت والا مدظلہم نے ستر ممالک سے آئی ہوئی مسلم این جی اوز کی اہم شخصیات کے اس اجلاس سے مختصر خطاب فرمایا، اورآپ کی دعاء پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔

۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ (۲۱؍فروری ۲۰۱۱ء): کو حضرت والا مدظلہم حضرت مولانا قاضی محمود الحسن

صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ مظفر آباد تشریف لے گئے، یہاں پر حضرت نے اساتذہ کرام، طلباء اور مختلف علاقوں سے آئے ہوئے علمائے کرام سے تفصیلی خطاب فرمایا، اور اپنی اسانید سے روایتِ حدیث کی اجازت عنایت فرمائی جبکہ حضرت والا مدظلہم کی اہلیہ محترمہ کا معلمات اور طالبات میں بیان ہوا۔

شام کو حضرت والا بارا کہو میں حضرت مولانا فیض الرحمٰن عثمانی صاحب صدر ادارہ علوم اسلامی مری کے یہاں تشریف لے گئے، جہاں پر حضرت والا مدظلہم نے علمائے کرام اور طلباء کے ساتھ خصوصی نشست فرمائی، اور رات کو الحمدللہ بخیر و عافیت واپس کراچی تشریف لے آئے۔

متاثرین سیلاب کے امدادی کاموں کا جائزہ: ۷ر ربیع الاول ۱۴۳۲ھ: بروز جمعہ جامعہ کے اساتذۂ کرام حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ ٹھٹہ اور ''جاتی'' تشریف لے گئے، جناب عابد صدیق صاحب بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ وہاں متاثرین کے لیے جو مکانات تعمیر ہو رہے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے، الحمدللہ اسّی مکانات ''جاتی'' میں جبکہ ساٹھ کے قریب مکانات ٹھٹہ کے ایک مضافی گاؤں نکوئی میں جامعہ دارالعلوم کراچی کی طرف سے تعمیر ہو رہے ہیں ان میں سے پچاس مکانات مکمل ہو کر متاثرین کے حوالے ہو چکے ہیں بقیہ کی تعمیر جاری ہے۔

اس مہم میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر کی توجہات وسرپرستی اور حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب مدظلہم کی جدوجہد کا بڑا دخل ہے، حق تعالیٰ اس کام میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

محفل قراءت: ۱۳ر ربیع الاول ۱۴۳۲ھ: بروز جمعرات مغرب کے بعد جامع مسجد دارالعلوم کراچی میں ایک محفل قراءت منعقد ہوئی جس میں قسم القراءات کے طلبہ نے خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کی۔ آخر میں جناب قاری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہم کی پرسوز وروح پرور تلاوت ہوئی جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کو تلاوتِ قرآنی کے ذوق میں اضافہ کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

تقریب ولیمہ: ۱۳ر ربیع الاول ۱۴۳۲ھ: (۱۷ر فروری ۲۰۱۱ء) بروز جمعرات عشاء کے بعد دارالعلوم کے سبزہ زار میں حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کے صاحبزادے مولانا سجاد اشرف عثمانی صاحب کے ولیمہ کی تقریب منعقد ہوئی، جس میں اکابر دارالعلوم، دیگر اساتذۂ کرام اور عزیز واقارب کے علاوہ جناب الحاج عشرت علی خان صاحب قیصر مدظلہم العالی رونق افروز تھے، حق تعالیٰ زوجین کو دین ودنیا کی صلاح وفلاح عطا فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆

نقد و تبصرہ

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے

نام کتاب .... **تحفة القاری لحل ما فی صحیح البخاری**

نام مؤلف .... محمد یوسف مدنی

ضخامت .... ۵۶۱ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت: درج نہیں

ناشر .... مکتبة الشیخ ۴۴۵/۳ بہادر آباد کراچی ۵

زیرِ نظر کتاب بخاری شریف کے ایک حصے "کتاب الجھاد والسیر" کی اردو شرح ہے، اس میں عربی متن واضح اعراب کے ساتھ لکھنے کے بعد سلیس ترجمہ کیا گیا ہے، نیز مشکل الفاظ کی وضاحت کے ساتھ حدیث کا مطلب بھی بیان کیا گیا ہے، تراجم بخاری پر کلام کرتے ہوئے متعلقہ مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس کتاب سے متعلق اپنی تقریظ تحریر فرمایا ہے کہ:

> "مسودے کا تفصیل سے تو مطالعہ نہ کرسکا، تاہم اجمالی طور پر بعض مقامات کو دیکھنے سے اندازہ ہوا اور بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے صحیح بخاری کی "کتاب الجھاد والسیر" کی اردو میں جامع اور مختصر تشریح آسان زبان میں کرنے کی مفید کوشش کی ہے۔
>
> میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قارئین وقاریات کے لیے نافع بنائے، مؤلف سلمہ کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس علمی کاوش کو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت وصدقۂ جاریہ بنائے۔

دورۂ حدیث کے طلبہ اور بطور خاص طالبات اس سے مستفید ہوں گی۔ (ابومعاذ)

نام کتاب .... **ماہنامہ مسیحائی کراچی کا ختم نبوت نمبر**

مدیر اعلیٰ .... مخدوم زادہ احمد خیر الدین انصاری

مدیر اعزازی .... ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
ضخامت .... ۱۰۸۸ صفحات، طباعت مناسب، قیمت =/۴۵۰ روپے
ناشر .... احمد خیر الدین انصاری B/197 بلاک A شارع بابر نارتھ ناظم آباد کراچی

اس ضخیم نمبر میں ختم نبوت کے موضوع پر مشاہیر اہلِ قلم کی نادر تحریریں اور قیمتی مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں جن کے نتیجے میں یہ نمبر ختم نبوت کے موضوع پر ایک حسین گلدستے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ واقعی یہ ایک قابل تحسین کوشش ہے۔ (ابو معاذ)

نام کتاب .... **قمری مہینوں کے فضائل واحکام**
افادات .... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ضخامت .... حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم
ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ شرقی نزد مسجد فردوس ہارون آباد ضلع بہاولنگر

اس کتاب میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایسے مواعظ، ملفوظات اور عبارتیں جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق قمری مہینوں کے فضائل واحکام سے ہے، کتاب مفید معلومات پر مشتمل ہے، قارئین کو اس کی قدر کرنی چاہئے۔ (ابو معاذ)

نام کتاب .... **تسھیل اصول تصوف** (مع اضافات جدیدہ)
افادات .... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ
ترتیب وتحریر .... حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ
تسہیل واضافہ وترتیب جدید: مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب
ضخامت .... ۲۳۲ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں
ناشر .... دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ کراچی

حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مواعظ وملفوظات سے ''اصول تصوف'' کے نام سے ایک مفید رسالہ مرتب فرمایا تھا، جس سے اہل ذوق فائدہ اٹھا رہے ہیں، جناب مولانا احسان اللہ شائق صاحب زید مجدہ نے اسے مزید آسان انداز میں تحریر کیا ہے اور چند اضافہ جات بھی شامل کر دیئے ہیں۔

یہ کوشش خاص طور پر دینی مدارس کے طلبہ کی خاطر کی گئی ہے، حق تعالیٰ انہیں اس کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (ابو معاذ)

نام کتاب .... حج کا طریقہ قدم بقدم

نام مرتب .... ابناء حاجی عبدالرشید عبدالوہابؒ

ضخامت .... ۱۸ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت: درج نہیں

ناشر .... حاجی عبدالرشید عبدالوہاب، دکان نمبر ۸، نیو میمن مسجد ایم اے جناح روڈ کراچی

مؤلف محترم اگر چہ عالم نہیں لیکن مذکورہ کتابچے میں انہوں نے حج کے مسائل اور اس کا طریقہ اختصار کے ساتھ آسان لفظوں میں لکھا ہے، حج کی سعادت حاصل کرنے والے حضرات اگر حج کے دوران یہ رسالہ اپنے ساتھ رکھیں اور وقتاً فوقتاً اس کا مطالعہ کرتے رہیں تو امید ہے کہ اس سے انہیں ان شاء اللہ حج کرنے میں آسانی محسوس ہوگی البتہ اگر کہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مستند علماء سے رجوع کرنا ضروری ہوگا۔

(ابو معاذ)